جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ

سرِّ وحدت خلق الطیر است جامی لب ببند — مرغ نیلائے نشاید فہم ایں گفتار را

سرِّ وحدت

رموزِ حقیقت، اسرارِ معرفت اور توحیدِ خداوندی کی فہم و بصیرت کے لیے
بزرگانِ دین اور صوفیائے کرام کی مستند کتب اور ایمان افروز و دلپذیر
ارشادات کا نادر مجموعہ

مؤلف

بابا لقمان نقشبندی مجددی

جھاوریاں ضلع سرگودھا

ملنے کا پتہ

شاہین نیو بکڈپو۔ بالمقابل نشاط سینما رحیم یارخان
کتاب گھر سلیمی چوک ہسپتال روڈ فیصل آباد

طبع اوّل

قیمت: سات روپے ۵۰ پیسے

CamScanner

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱	تمہید، تحمید	۱
۲	حمد	۴
۳	وحدت مطلق	۶
۴	طریقت	۸
۵	اسلام میں تصوف کا آغاز	۹
۶	حیات طیبہ	۹
۷	حیات نبیؐ سے مماثلت ..	۱۰
۸	عہد جاہلیت میں نبیؐ کی زندگی	۱۱
۹	نزول وحی	۱۱
۱۰	نبیؐ زندگی	۱۲
۱۱	مماثلت اور تشبیہ	۱۳
۱۲	ایک شبہ اور اس کا جواب ..	۱۳
۱۳	حرا کی خلوت کا نتیجہ ..	۱۴
۱۴	آنحضرتؐ کی زندگی کا ایک پہلو	۱۴
۱۵	محبت اور غلبت	۱۵
۱۶	اولیاء اللہ کی صوفیانہ اصطلاحات ..	۱۶
۱۷	نفس کلیہ	۱۹
۱۸	مسئلہ جبر وقدر ..	۲۱
۱۹	باری تعالیٰ اور تجارتی کی مثال ..	۳۰
۲۰	ذکر کا بیان	۳۱
۲۱	فنا کے مراتب کا بیان	۳۳
۲۲	انسان کی چار قسمیں ہیں	۳۷
۲۳	توحید و تقلید کا مطلب	۴۲
۲۴	گفتگوئے مہا پرس شناس منا ..	۴۴
۲۵	قرب فرائض ..	۵۲
۲۶	بزرگان دین کے اقوال ..	۵۳
۲۷	ادب ہندی	۵۵
۲۸	حقیقت تصوف	۵۷
۲۹	صورت تفکر	۶۴
۳۰	توحید، تمہید	۶۵
۳۱	قصیدہ حضرت عطارؒ	۷۰
۳۲	گڈریا کا قصہ	۷۷
۳۳	حکایت پیر پینگی	۸۱
۳۴	اقوال متفرق	۸۶
۳۵	حقیقت فکر	۸۹
۳۶	پیری مریدی کیا ہے	۹۰
۳۷	آیات قرآنی	۹۱
۳۸	توحید وجودی و توحید شہودی ..	۹۳

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۳۹	صفت مرد مسلمان	۹۴
۴۰	خدا کا تصور ..	۹۵
۴۱	شیخ ابن عربیؒ کے فلسفے کا خلاصہ ..	۹۷
۴۲	شیخ لقمان سرخسی کی مناجات ..	۹۹
۴۳	کلام بابا بلھے شاہؒ	۱۰۳
۴۴	کلمہ طیبہ کا معنی	۱۰۶
۴۵	توحید مطلق	۱۰۹
۴۶	خلاف شریعت گمراہی ہے	۱۱۰
۴۷	اکمل نقطے و منزل محمدی کے ..	۱۱۰
۴۸	[illegible] توحید کی حقیقت	۱۱۴
۴۹	اقوال حضرت سلطان العارفینؒ ..	۱۱۷
۵۰	ترک دنیا و ماسوی اللہ ..	۱۱۹
۵۱	متفرقات	۱۱۹
۵۲	اخلاص کی ضرورت	۱۲۱
۵۳	غیر اللہ سے فانی ہونے کے بعد فنا فی التوحید کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے	۱۲۳
۵۴	اللہ تک پہنچنے کی حقیقت	۱۲۴
۵۵	بزرگان دین کے اقوال	۱۲۶
۵۶	حکایت	۱۳۱
۵۷	ترتیب و قواعد فنا	۱۳۴
۵۸	وصیت حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ ..	۱۳۷
۵۹	مقام برزخ	۱۳۸
۶۰	شان اولیاءؒ	۱۴۰
۶۱	یہ توحید ہے ..	۱۴۱
۶۲	حضرت پیر صاحبؒ کا دوسرا فرمان	۱۴۱
۶۳	قشیری کے بیٹے کی علالت ..	۱۴۶
۶۴	متفرقات	۱۴۷
۶۵	مسئلہ توحید	۱۵۱
۶۶	آیات قرآنی	۱۵۵
۶۷	دھیمی آواز	۱۵۶
۶۸	حج کی حقیقت	۱۵۷
۶۹	خاتمۃ الکتاب	۱۶۲
۷۰	شجرہ عالیہ نقشبندیہ معصومیہ	۱۶۴
۷۱	کتابیات	۱۶۵

CamScanner

سرِّ وحدت

تمہید، تحمید

یا تمام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی

بنام آں کہ او نامے ندارد — بہر نامے کہ خوانی سر بر آرد

ترجمہ:۔ اسکے نام سے جس کا کوئی نام نہیں، تو اسے جس نام سے بھی پکارے وہ موجود (مخاطب) ہوتا ہے۔

کہ ذات اوست در ہر ذات ساری — کہ نام اوست در ہر اسم جاری

ترجمہ:۔ اس کی ذات ہر ذات میں جاری ہے۔ اس کا نام ہر نام میں موجود ہے۔

سُبْحَانَ اللّٰہِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کُلُّ اَمْرٍ ذِیْ بَالٍ لَّمْ یُبْدَأْ بِحَمْدِ اللّٰہِ فَہُوَ اَقْطَعُ ○ یعنی کوئی شاندار کام جو خدا کی حمد کے ساتھ نہ شروع کیا جائے، وہ مقطوع البرکت ہے۔ حمد بمعنی ستودن یعنی کسی کی بزرگی یا تعریف یا صفت و ثنا بیان کرنا۔ اور یہ دوئی میں ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ایک واصف ہو، ایک موصوف، ایک حامد ہو ایک محمود۔ پس شریعت میں اس دوئی کے بغیر چارہ نہیں۔ اسی لئے عبد، معبود یا خدا اور رسول کا اثبات واجب ٹھہرا کما قال اللّٰہ تعالیٰ یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ یعنی اے ایمان والو!

ا ر ب ع ا

ایمان لاؤ۔ اللہ اور اس کے رسولؐ پر۔

یعنی اللہ اور رسولؐ کو بہ یقینِ دل مان لو اور جو ان کو نہ مانے وہ کافر ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَکْفُرُ بِبَعْضٍ وَّیُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلًا ۙ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْکٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا ؕ[۱] یعنی جو لوگ کفر کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ اور ارادہ کرتے ہیں یہ کہ جدائی ڈالیں اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان، اور کہتے ہیں کہ ہم ایمان لاتے ہیں بعض کے ساتھ اور کفر کرتے ہیں بعض کے ساتھ۔ اور چاہتے ہیں یہ کہ پکڑیں درمیان اس کے کوئی راہ۔ یہی لوگ ہیں (اصل) کافر اور ہم نے تیار کر رکھی ہے منکروں کے واسطے ذلت کی مار"

یعنی جو خدا کو یا رسولؐ کو نہیں مانتے اور جدائی ڈالتے ہیں وہ کافر مطلق ہیں۔ غرضیکہ خدا اور رسولؐ دونوں کو بلا فرق ماننا فرضِ عین ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَلَمْ یُفَرِّقُوْا بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِکَ سَوْفَ یُؤْتِیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ؕ[۱] اور جو لوگ کہ یقین لائے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور جدا نہ کیا ان میں سے کسی کو، ان کو جلدی دیا جائے گا ثواب ان کا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اور اسی پر گواہ ہے کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ مگر طریقت میں دوئی شرک ہے اور شرک سے اللہ تعالیٰ منع فرماتا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ لَا تُشْرِکْ بِیْ شَیْئًا ؕ[۲] یعنی مت شریک کر میرے ساتھ کسی شے کو۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شرک کرے گا اس کو کبھی معافی نہ ہوگی۔ کما قال اللہ تعالیٰ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۚ وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا ۢ بَعِیْدًا ؕ[۳] یعنی تحقیق اللہ نہیں بخشتا یہ کہ شریک لایا جائے اس کے ساتھ اور بخشتا ہے سوا اس کے جس کے واسطے چاہتا ہے۔ اور جو کوئی شریک لائے اللہ کے ساتھ پس گمراہ ہوا، گمراہ دور کا۔

---

[۱] پ۶ ع۱ [۲] پ۲۱ لقمٰن ع۱۱ [۳] پ۵ ع۵

شریعت میں عبدیت و معبودیت کا ثابت کرنا ہے۔ اور طریقت میں دونوں کو مٹانا وہ شریعت کا حکم یہ طریقت کا۔ گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل۔

لیکن اہلِ طریقت وہ لوگ ہیں کہ شرک کی بیخ و بنیاد تختۂ دل سے اکھاڑ کر نگینِ توحید لگاتے ہیں۔ اور رسول اللہ علیہ السلام کو مرتبہ وحدت میں نزولِ اوّل قرار دیتے ہیں اور انکو خدا سے جدا نہیں جانتے بلکہ مرتبہ احدیت میں اسم و مسمیٰ کا فرق بھی اٹھا دیتے ہیں اور شریعت کو لباس اور پردہ پوش طریقت کو لباس و پردہ پوش طریقت جانتے ہیں۔ کہ ٹٹی کی اوڑھ میں شکار کھیلنا بہتر ہوتا ہے۔ اور اگرچہ شریعت نزول میں موخر ہے مگر عروج میں مقدم لہٰذا تقدم شریعت کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے ؎

شریعت را مقدم دار اکنوں — طریقت از شریعت نیست بیروں
کسے کہ در شریعت راسخ آید — حقیقت راہ بروے خود کشاید

ترجمہ:۔ اب شریعت کو پہلے رکھ (سمجھ)، طریقت شریعت سے باہر نہیں ہے۔ جو شریعت کا پابند ہو، اس پر حقیقت کی راہ خود بخود کھل جاتی ہے۔

اَلْکِنَایَۃُ اَبْلَغُ مِنَ التَّصْرِیْحِ ۝

؎ خوشتر آں باشد کہ سرِّ دلبراں — گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

ترجمہ:۔ یہ زیادہ بہتر ہے کہ دوستوں کا بھید، دوسروں کی بات میں بیان کیا جائے۔

پس میں بھی بہ مقتضائے آدابِ شریعت اوّل حمد میں رطب اللسان ہوتا ہوں۔

؎ از خدا خواہیم توفیقِ ادب — بے ادب محروم گشت از لطفِ رب
بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد — بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

ترجمہ:۔ ہم خدا سے ادب کی توفیق چاہتے ہیں۔ بے ادب خدا کی مہربانی سے محروم رہتا ہے۔ بے ادب صرف آپ ہی بد نہیں ہوتا بلکہ دونوں جہانوں میں آگ لگاتا ہے۔

وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ حَسْبِیَ اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ۝

محمد علیم [illegible]

حمد

اَلْحَمْدُ لِمَنْ هُوَ الْاَوَّلُ بِالْبَاطِنِ وَالْاٰخِرُ بِالظَّاهِرِ وَهُوَ وَاحِدُ الْوُجُوْدِ غَیْرُہٗ لَیْسَ بِمَوْجُوْدٍ لَوْ کَانَ فِیْهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝

پس حمد و ثناء کمال و جمال پر نظر کرنے سے پیدا ہوتی ہے اور مرتبۂ احدیت میں وحدت و وحدانیت اور صفات و اسماء سب گم ہیں، نہ علم ہے نہ خبر، نہ بے علمی کا علم نہ بے خبری کی خبر، نہ حمد ہے نہ حامد نہ محمود، نہ خدا نہ رسول، نہ عبد نہ معبود، نہ عدم نہ موجود، نہ عبارت نہ اشارت، نہ بیان ہے نہ زبان، کیونکہ احدیت حقیقتِ ہستی ہے جس کے ساتھ کوئی شئے نہیں ہے۔ وہ اور اس کی حقیقت بھی جدا نہیں بلکہ متحد ہے نہ کل ہے نہ جزو، نہ عام ہے نہ خاص ہے۔ اسی کا نام ذات مطلق ہے بلکہ اطلاق سے بھی پاک محال ہے کہ عقل اس کو پا سکے نہ اس کا اثبات کر سکتی ہے نہ نفی۔ وہ خود شاہد خود مشہود ہے۔ اور خود ظاہر و خود مظہر اپنے ظہور کی شدت میں آپ مخفی و مستور ہے۔ کوئی غیر نہیں جو باعث ظہور ہو۔ ماسوئی نہیں جو اس کا محاسب ہو سکے۔ وہ اپنا حجاب آپ ہی ہے۔ اس لئے حجابات میں ظاہر تر ہے۔ اور بے حجابی میں پنہاں تر۔ ظہور عین خفا ہے۔ اور خفا عین ظہور ہے۔ اطلاق میں مخفی، تعیّنات میں ظاہر۔ پس عقول و افہام اور تقریر و تحریر حقیقتِ ہستی کا خاکہ نہیں کھینچ سکتی۔ تاوقتیکہ حامد کو محمود سے آگاہی نہ ہو، حمد و ثنا ممکن نہیں۔ اگر آگاہی اجمالی حاصل ہوئی تو احدیت نہ رہی مرتبہ وحدت میں نزول ہوا۔ جہاں سب کچھ ہے اور کچھ بھی نہیں۔ اس لحاظ سے کہ نہ تفرقہ ہے نہ تفصیل۔ حامد و محمود جدا نہیں۔ اس لئے اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ اور سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ بھی اس مرتبہ کی حمد ہے اور اگر آگاہی تفصیلی ہے تو مرتبہ وحدت سے واحدیت میں نزول ہوا جہاں عابد و معبود، ساجد و مسجود، حامد و محمود میں فرق و امتیاز ہے۔ اس لئے یہاں کی حمد اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۝ ہے۔

پھر بلحاظِ احوالِ حامد حمد کی تین قسمیں ہیں۔ اگر کمال و جمالِ محمود کو ملاحظہ کر کے صرف اسکے بیان پر اکتفا کی اور کوئی عمل اس کے اوصافِ جمیلہ کے مناسب نہ کیا، تو یہ حمد قولی ہے۔ اور اگر ایسے اعمال و افعال بجا لایا جو اس کے کمال اوصاف کے نمایاں ہوں تو یہ حمد فعلی ہے۔ اور اگر ان اوصافِ کاملہ سے جو محمود میں پایا جاتا ہے خود بھی متصف ہو گیا۔ اور تَخَلَّقُوا بِاَخْلَاقِ اللہ کے رتبہ پر پہنچا تو یہ حمد حالی ہے ؎

حمد قولی ہست اقرارِ زباں　　حمد فعلی طاعت و اعمال دان
حمد حالی اتصافِ جان و دل　　بر صفاتِ پاک و برتر ز آب و گل

ترجمہ:- زبانی تعریف کیا ہے؟ زبان سے اقرار ہے۔ فعلی تعریف اطاعت اور عمل سمجھو، حالی تعریف جان اور دل کا متصف ہونا ہے، پاک صفات پر آب و گل سے بہتر ہے[1]

یہ تمہید تحمید ایک بھی سمجھ اور دو بھی سمجھ۔ کثرت میں وحدت اور وحدت میں کثرت ہے جس انسان کی کثرت اور وحدت میں آنکھ کھل جاتی ہے۔ وہ قرآن شریف اور حدیث کو خوب سمجھ سکتا ہے کہ قرآن شریف غیر مخلوق کلام ہے۔ اور حدیث شرعی لحاظ سے مخلوق ہے۔ مگر دیکھو یہ ساری بزرگ قوم اشارات سے کام لیتی ہے۔ دیکھو حضرت غوث علی شاہ قلندر اور حضرت گل حسن بھی لکھتے ہیں۔ کہ ٹٹی کی آڑ میں شکار کھیلنا بہتر ہوتا ہے۔ اور دیکھو حضرت گل حسن کا کلام کیا خوب ہے۔ مگر گل حسن کو گل حسن ہی پہچانے اور کوئی کیا جانے ؎

جو عشق نہی وچ رنگیا تہیں اوہ راز محبت کیا جانے　　جس اک دی نئیں پہچان کیتی او کثرت وحدت کیا جانے

یہ توحید کوئی قالی انسان نہیں سمجھ سکتا سوائے حالی کے۔ یہ وجدانی اور نسبتی شخص ہے۔ جو قلندر کا قلندر ہی مرید ہے۔ اور قلندر کا کلام قلندر ہی سمجھ سکتا ہے۔ یہ خاص حضرت گل حسن ہے۔ یہ قلندر ہے۔ یہ اپنی حمد و صفت و ثنا آپ ہی کرے ورنہ اور کوئی نہیں جو ایسی توحید بیان کرے اور سمجھے۔ بندہ نے ان کی تصنیفات "تعلیم غوثیہ" اور "تذکرہ غوثیہ" دونوں دیکھیں اور پڑھیں۔ جو مثنوی مولانا رومؒ کی طرح سب توحید ہی توحید ہے۔

[1] تعلیم غوثیہ گل حسن رحؒ

ذیل میں دیکھو انھوں نے وحدت مطلق کیسی بیان کی ہے ۔

وحدتِ مطلق

یا فتاح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یامن بابک حاجتی و وجہک حبیبک من غیرک اعرضت و اقبلت الیک مالی عمل صالح انتظر برتہ جئتک راجیا توکلت علیک ۰

حمد و ثنا سہو و خطا، شکر و سپاس وہم و وسواس، کیسی حمد اور کس کا شکر، حامد کون محمود کیا، ثنا کر کدھر ستائش کہاں، قطرہ ہے تو دریا موہوم، دریا ہے تو قطرہ معدوم، جب تک ذرہ ذرہ ہے، آفتاب نہاں ہے۔ وجود آفتاب نمودار ہوا تو ذرہ کہاں ہے۔ قطرہ امر اعتباری ہے ہر قطرہ میں دریا جاری ہے۔ آفتاب سے ذرہ کا وجود، ذرہ سے آفتاب کی نمود، قطرہ سے دریا کا ظہور، قطرہ قطرہ میں دریا معمور، لیکن نہ قطرہ نہ دریا، نہ ذرہ نہ آفتاب، وہ خود نیست ہے خود نایاب، نہ اس کا پتہ نہ اس کا نشان، نہ اس کا مکان، تحریر و تقریر سے پاک، خارج از فہم و ادراک، جو سمجھے سو غلط، جو لکھے سو خبط، جو کہا سو جنون تعالیٰ شانہٗ عما یصفون ۰

زبسکہ حسن فزود و غمش گداخت مرا　　نہ من شناختم او را نہ او شناخت مرا

ترجمہ:۔ جتنا اس کا حسن زیادہ ہے، اتنا ہی اس کا غم مجھے پگھلاتا ہے۔ اور اب (وفور شوق) سے یہ کیفیت ہو گئی ہے کہ نہ میں اسے پہچانتا ہوں اور نہ وہ مجھے پہچانتا ہے۔

نہیں نہیں، صواب و خطا، عتاب و فراق و وصال، وہم و خیال، ذکر و نسیان، طاعت و عصیاں، سب منظور، سب مقبول، عیب واحد و اثنین نہیں تو سوائے عین العین نہیں۔ کُلُّ شَیْءٍ ہَالِکٌ اِلَّا وَجْہَہٗ

انت پھوٹ سب بانٹی ہوئی　　لینا ایک نہ دینا دوئی

کہاں کا وہم کیسا قیاس، اپنی حمد اپنا سپاس، اپنی داستان اپنا بیان، اپنی مقال

اپنا حال، خود شاکر و خود مشکور، خود ذاکر و خود مذکور، قطرہ میں دریا غرق دریا میں قطرہ فنا، ذرّہ پر آفتاب محیط، آفتاب پر ذرّہ حاوی، دانہ میں شجر کے آثار، شجر میں دانہ آشکار، وجود میں شہود، شہود میں وجود۔ ۔۔۔ هُوَ الْاَوَّلُ هُوَ الْاٰخِرُ هُوَ الظَّاهِرُ هُوَ الْبَاطِنُ

؎ او در دل است و دلِ من بدست اوست چوں آئینہ بدست من و من در آئینہ!

ترجمہ:۔ وہ میرے دل میں ہے اور میرا دل اس کے ہاتھ میں ہے۔ جیسا کہ آئینہ میرے ہاتھ میں ہے اور میں آئینہ میں (نظر آتا ہوں)۔

نہ ہجر نہ وصال، نہ اتّصال نہ انفصال، نہ یکی نہ دوئی، نہ مائی نہ توئی، نہ اقرار سے سود نہ انکار سے زیاں، نہ کسی سے راز نہ کسی سے نیاز، نہ کچھ بُرا نہ کچھ بھلا، نہ اس کی تمنا نہ اس کی پرواہ، یہ بھی درست وہ بھی بجا، اطلاق سے مطلق قید سے آزاد، نہ یاد سے فراموش نہ فراموشی میں یاد، نہ کنارا نہ حد، نہ شمار نہ عدد، قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ اسم و مسمیٰ میں تمیز نہیں لفظ و معنی دو چیز نہیں، ذات سمجھو یا صفات، وہی ایک بات، خیال شخص ہے عمر و زید کہاں، اگر ہے تو وہی وہ ہے۔ اگر نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ رُباعی

لَا دَهْرَ فِي الْكَوْنِ وَلَا اِبْلِيْسُ لَا مُلْكُ سُلَيْمَانَ وَلَا بِلْقِيْسُ

فَالْكُلُّ عِبَارَةٌ وَّاَنْتَ الْمَعْنٰى يَا مَنْ هُوَ الْقُلُوْبُ مِغْنَاطِيْسُ

آفتاب کی دید بدون آفتاب ناپدید، نورِ آفتاب نظر میں سمایا تو آفتاب نظر آیا، خود نقاب و خود حجاب، خود ضیاء و خود آفتاب، نور میں آفتاب مستور، آفتاب ہمہ تن نور، خود ناظر و خود منظور، خود شاہد و خود مشہود، خود گویا و خود گفتگو، وَحْدَهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؎

؎ اصلِ شہود و شاہد و مشہود ایک ہے حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

حمد ہے تو غیر کا نشان نہیں، شکر ہے تو کسی کا احسان نہیں، خود سمیع و خود بصیر، خود کلام و خود کلیم، جو چاہا سو کیا۔ کس نے کہا اور کس نے کیا۔ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ؎

؎ تذکرہ غوثیہ۔ حضرت غوث علی شاہ قلندر پانی پتی

ے وحدتِ مطلق میں جانِ خلق و خدا ایک ہے ۔ دیکھنا توحید ہے بولنا ترکِ ادب
پر ہے حقیقی دوئی عالم و حق میں ضرور ۔ اس کے سوا الحمد کھول نہ زنہار لب
صوفیوں کا یاد رکھ یہ قاعدہ کلیہ ۔ خلق نہ ہو جائے حق عبد نہ ہو جائے رب

یہ شریعت ایک حد ہے ۔ ماں، بہن، بیٹی، حرام، حلال، امر و نہی، یہ سب خدا و رسولؐ کا حکم ہے ۔ کہ شرعی حد کو قائم رکھو اور امر بجا لاؤ، اگر یہ شریعت کی حد نہ ہوتی تو یہ زمین و آسمان درہم برہم ہو جاتے ۔ کوئی چیز نہ رہتی یہی قانون شرعی اور سیاسی کام کر رہا ہے مسلمان کے واسطے ضروری فرض ہے کہ شریعت پر عمل کرے ۔ اگر انکاری ہو تو کافر ہے ۔ یہی تمہید تحمید میں لکھا گیا ہے ۔ کتاب کے آغاز میں حمد اور حامد و محمود کی تعریف کی گئی ہے ۔ اب طریقت کا حال سنو!

طریقت

یہ توحید ہی توحید ہے ۔ ایک توحید مقیدؔ ہوتی ہے ۔ اور ایک توحید مطلق ہوتی ہے ۔ توحید مقیدؔ تو عام لوگوں کے لئے ہے ۔ جو صرف زبان سے اقرار ہے کہ ایک میں ہوں دوسرا میرا اللہ ہے یعنی دو عدد ہستی خالق اور مخلوق، خالق کو اپنی جگہ سبحان اللہ میں قید سمجھا اور مخلوق کو اپنی جگہ قید سمجھا ۔ حالانکہ خدا تشبیہ و تنزیہہ سے پاک ہے ۔ وہ واحد لاشریک ہے ۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہے ۔ شرک کرنا بڑا بھاری کفر ہے ۔ مشرک کی ساری عبادت رائیگاں جاتی ہے ۔ خواہ لاکھ برس کعبہ میں بیٹھ کر عبادت کرے ۔ مشرک کی سب نیکی ضائع ہو جاتی ہے ۔ اللہ صاحب اپنے فضل سے ہی اپنا راستہ دکھائے ۔ جس کو چاہے اپنے فضل سے سیدھا راستہ دکھائے ۔ پہلے ہر شخص وحدت مقیدؔ میں ہوتا ہے ۔ پھر اللہ کے فضل سے وحدت مطلق میں آ جاتا ہے ۔ بقول حضرت اقبالؒ ؎

جو دیکھا تو نے یوسفؑ کو کنوئیں میں ہی تو کیا دیکھا
ارے ناداں جو مطلق تھا مقیدؔ کر دیا تو نے

اِسلام میں تصوّف کا آغاز

اسلام میں روحانی زندگی یا تصوّف کا آغاز کس طرح ہوا؟

...ن ہے اور بے حد اہم سوال ہے ۔ کہ اس کا جواب بھی بہت واضح اور ...
... ہے ۔ اسلام میں روحانی زندگی کا آغاز آنحضرت صلعم اور صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کے ساتھ ساتھ ہوا ۔ نبی اکرم صلعم اور آپکے صحابہ رض اظہار حب دنیا سے نفور تھے ۔ دنیا کی چمک دمک سے بے نیاز تھے ۔ جاہ اور نمائش کا انکی زندگی میں ذرا بھی دخل نہ تھا ۔ وہ صرف خدا کی طرف متوجہ تھے ۔ اور زندگی کے ہر مرحلہ پر اسی سے لو لگاتے تھے ۔ وہ اللہ کیلئے زندہ رہتے تھے ۔ اللہ کیلئے جہاد کرتے تھے اور اللہ کیلئے شہادت کے مرتبہ پر فائز ہوتے تھے ۔ ان کا جینا مرنا دنیا کیلئے نہ تھا ، بلکہ صرف خدا کیلئے تھا ان میں ایمان کی قوت اور یقین کی حرارت اسی جذبہ اور اسی زندگی نے پیدا کی تھی ۔

حیاتِ طیبہ

رسول اکرم کی حیات طیبہ پر ایک نظر ڈالئے ۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ حضورؐ کی زندگی کا آغاز اس طرح ہوا کہ آپ دن اور رات کا بڑا حصّہ لوگوں سے الگ ، دنیا سے دور غار حرا کی تنہائیوں میں بسر کرتے تھے ۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب آپؐ پر وحی نازل نہیں ہوئی تھی ۔ لیکن روحانی زندگی کا دور شروع ہو گیا تھا ۔ اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رض حضرت عمر فاروق رض ، حضرت عثمان غنی رض اور حضرت علی مرتضیٰ رض کی زندگی بھی روحانی زندگی تھی ۔ بلال حبشی رض ، سلمان فارسی رض اور صہیب رومی رض کی زندگی کا اگر تجزیہ کیا جائے تو وہ بھی روحانی پرتو سے جلوہ فگن نظر آئے گی ۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ تمیم الداری رض ، ابوذر غفاری رض ، حذیفہ بن یمان رض اور مصعب بن عمیر رض کی زندگی بھی روحانی رنگ میں رنگی ہوئی تھی ۔ ان صحابہ رض کے علاوہ دوسرے صحابہ رض کی حیات گرامی بھی اسی حقیقت کی شاہد ہے کہ یہ سب خضوع وخشوع سے عبادت کرتے تھے ۔ مجاہدہ نفس کرتے تھے ۔ دنیا کی چمک دمک سے

دور رہتے تھے۔ شیطان کے دشمن تھے۔ اور جہاد فی سبیل اللہ کے شائق اور جویا۔ غرض یہ زندگی تھی جو رسول ؐ سے صحابہؓ کو ملی۔ پھر اس نے برگ و بار حاصل کئے۔ اور تابعین تک پہنچی۔ تبع تابعین بھی اس سے متاثر ہوئے۔ اور پھر کوئی دور بھی اسلام میں ایسا نہیں گزرا جو حیات روح خالی ہو۔ یہ سب دنیا سے زیادہ دین پر متوجہ تھے۔ دنیا سے کہیں زیادہ دین کی پرواہ۔

حیات نبی ؐ سے مماثلت

آنحضرتؐ نے لوگوں سے دور رہ کر خلوت نفس کے بعد کائنات کی علت غائی پر غور کر کے جو زندگی اختیار فرمائی تھی اس کا اگر بعد کے زہاد اور عباد کی زندگی سے جو صوفیہ کے نام سے مشہور ہوئے، موازنہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ آنحضرتؐ کی زندگی اور صوفیائے کرام کی زندگی میں ایک قسم کی مماثلت سی ہے۔ اسی سے یہ اندازہ بھی ہو گا کہ صوفیہ کے ریاضات اور مجاہدات کا، جو کشفِ حقائق اور معرفت دقائق کے موجب ہوتے تھے، اس حیات روحی سے پیوند لگا ہوا ہے۔ جو قطعاً خالص تھی اور جس کی بہترین مثال خود آنحضرتؐ کی حیات طیبہ تھی۔ جوہر خلط چیز سے الگ تھی۔ اور جو ہر معاملے میں سر تا سر حقیقت تھی۔ وہ زندگی کیا تھی؟ یہ کہ اللہ ایک ہے۔ وحدتاً یہی بنی ؐ کی زندگی کا سرچشمہ تھا یہی آپ کی ساری ریاضت اور مجاہدہ کا اصل الاصول تھا یہی وہ چیز تھی۔ جو اسلام کے نبی ؐ نے ہمارے سامنے پیش کی تھی۔ پس جو تصوّف اس رُوح سے دور رہا وہ اسلام سے بھی دُور رہے۔ پھر بعد میں تصوّف مختلف جامے پہنتا گیا اور اسلام کے علاوہ دوسرے عناصر بھی اس میں جگہ پاتے گئے۔ یہ ہندی تصوّف ہے۔ وہ فارسی۔ یہ مسیحی تصوف ہے وہ یونانی ان اجنبی عناصر کی فراوانی نے تصوّف کو ایک ایسا مذہب بنا دیا جو گویا اسلام سے بالکل معارض اور مخالف تھا۔ ناممکن ہو گیا کہ ان میں سے کسی کو ملّت اسلامیہ کا جزو کہا جا سکے۔ حالانکہ اصل تصوّف وہ ہے جو حیات نبی صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا پرتو ہو۔ اور جو قرآن و سنت کے تابع ہو۔

عہدِ جاہلیت میں نبیؐ کی زندگی

ضرورت ہے کہ ہم آنحضرتؐ کی حیاتِ طیبہ کے اس رخ پر بھی ایک نظر ڈالیں۔ جو آپ نے غارِ حرا میں اعتزال و تقدس کے دائرہ میں بسر کی۔ اگر ہم اس زندگی کا عُبّاد و زُہّاد اور صوفیہ کے ان مختلف طبقات کی زندگی سے موازنہ کریں۔ جنہوں نے رنگا رنگ کے ریاضات اور مجاہدات کو بر سرِ عمل لا رکھا ہے تو ان دونوں کی زندگیوں میں مماثلت کا رنگ جھلکتا ہوا صاف نظر آئے گا۔ کم از کم ایک بات تو یقین تک پہنچ جائے گی کہ غارِ حرا میں آنحضرتؐ نے جو الگ تھلگ زندگی بسر فرمائی تھی۔ وہی دراصل پہلا بیج ہے تصوف کا جس سے زاہدوں کا زہد، عباد کی عبادت اور صوفیہ کا تصوف پھل لایا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ غارِ حرا میں ہادیٔ اکرمؐ مادی زندگی کے شور و شر سے الگ، ہنگامہ آرائیوں اور شورشوں سے دور دنیا کے عیش و تنعّم سے منقطع ہو کر، سکون، یکسوئی اور تنہائی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ عام طور پر ہر سال رمضان کا پورا مہینہ تھوڑے سے سامانِ معیشت کے ساتھ یہیں بسر ہوتا تھا۔ اور یہ ساری مدت کائنات کی حکمت اور صانعِ قدرت کی نشانیوں پر غور، خوض اور تامل و تفکر کرنے میں صرف ہوتی تھی۔ یہ وہ مقام تھا جہاں آنحضرتؐ خالص روحانی زندگی بسر فرماتے تھے۔ اس زندگی میں مادی زندگی کا شائبہ تک نہیں ہوتا تھا۔ یہاں دنیا کی دلکش رنگینی نہیں ہوتی تھی نہ جاہِ دنیا کی فساد انگیزیاں اپنا اثر دکھا سکتی تھیں۔ آنحضرتؐ کا یہ معمول —— غارِ حرا میں اقامت، یکسوئیٔ قلب کے ساتھ صانعِ کامل اور اس کی صنعتِ کاملہ پر غور و خوض —— عرصہ تک جاری رہا۔ یہاں تک کہ آپ نے اپنے نفس کو پہچان لیا۔ آپ کا احساس نازک تر ہو گیا۔ قلب کے آئینے میں زیادہ سے زیادہ جلا پیدا ہو گئی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ آپ کو رویائے صادقہ یعنی سچے خواب نظر آنے لگے انوارِ حقیقت آپ کے اعماقِ نفس پر اثر انداز ہونے لگے۔ آپ حق، خیر اور یقین پر اسی سختی کے ساتھ جم گئے جس طرح اربابِ دنیا باطل، شر اور شک پر قائم رہتے ہیں۔

نزولِ وحی

یہاں تک کہ آپ جوانی کی سرحد سے گذر کر چالیس برس کی عمر تک پہنچ گئے اور آخر کار آپ کی روح پاکیزگی

کے اس درجہ تک پہنچ گئی کہ اللہ تعالےٰ کا بھیجا ہوا فرشتہ آپؐ پر نازل ہوا۔ وہ آپکو سینہ سے لگاتا تھا اور بار بار آتا تھا اور جب آتا تھا آپؐ سے کہتا تھا، "پڑھ"۔ آپؐ جواب دیتے تھے کہ "میں پڑھنا نہیں جانتا"۔

آخر فرشتے نے آپؐ سے کہا:۔

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ — اللہ کا نام لے کر پڑھ جو خالق ہے۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ — (جسنے) انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔

اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ — (آپ قرآن) پڑھا کیجئے، اور آپ کا رب بڑا اکرم ہے جس نے

عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝ — قلم سے تعلیم دی اور انسان کو ان چیزوں کی تعلیم دی جن سے وہ ناواقف تھا

پھر آپؐ نے یہ آیات بینات پڑھیں اور یہ قرأت آپکی روحانی زندگی کا بالکل نیا اور انوکھا باب اور تاریخ ادیان کا ایک نیا سلسلہ تھا۔ یہ وہ زندگی تھی جو جہاد اور صبر کی آئینہ دار تھی۔ یہ وہ زندگی تھی جس میں اخلاق اپنی بلندی تک پہنچ گیا تھا۔ یہ وہ زندگی تھی جس میں ایمان و یقین نے عروج کی منزلیں طے کر لی تھیں۔

نئی زندگی

یہ تھی وہ زندگی جو آنحضرتؐ بسر فرما رہے تھے۔ یہ فرشتے کے نزول سے شروع ہوتی تھی اور وحی الٰہی کے انوار کی بارش پر ختم ہوتی تھی۔ اگر ہم نگاہِ غور سے اس زندگی کو پرکھیں اور اسکے مختلف عناصر کو ترتیب دیں۔ اس کے معنی اور مفہوم پر غور کریں، اس زندگی کا اس زندگی سے موازنہ کریں جو صدر اسلام میں زہاد اور عباد بسر کرتے تھے یا اس زندگی سے مقابلہ کریں جو صدر اسلام کے بعد صوفیا نے اختیار کی تو ہمیں معلوم ہوگا کہ تصوف ایک نہایت جامع نام ہے۔ یہ مختلف عبادت گذار اور دنیا سے بیزار گروہوں پر چسپاں ہو سکتا ہے۔ اس کی تعلیم، اس کا مقصد و منشا اور اس کے ریاضات و مجاہدات کا محور صرف یہ ہے:۔

(۱) تنقیۂ نفس (۲) تصفیۂ قلب

تہذیب نفس، محاسبہ اور مراقبہ سے یہ صوفیا الہام کی دولت سے سرفراز ہوئے اور کوئی

شبہ نہیں کہ یہ دولت اس راستے پر چل کر حاصل ہوتی ہے جو آنحضرتؐ نے اختیار فرمایا تھا۔ غارِ حرا میں آپؐ کی خلوت گزینی ہی بالآخر وحی پر منتج ہوئی تھی۔

مماثلت اور تشبّہ

کیا رسول اللہؐ کی زندگی ۔ خلوت، گوشہ نشینی اور زادِ قلیل پر اکتفا ۔ وہی زندگی تو نہ تھی جس کا پرتو آپؐ کے بعد زہّاد، عُبّاد اور صوفیا کی زندگی میں نظر آتا ہے؟ صوفیا کے ریاضات و مجاہدات اور ان ریاضات و مجاہدات کا اپنے اپنے ذوق اور میلان کے مطابق تنوّع، کیا یہ سب کچھ کشفِ حقیقت کا ہی راستہ نہیں ہے؟ کیا یہ ویسا ہی غور و فکر نہیں ہے جس کا مشاہدہ ہم آنحضرتؐ کی حیاتِ مبارکہ میں کرتے ہیں؟ کیا یہ وہی ذوق و شوق نہیں ہے جس نے دنیا کی ہر چیز کو، حتیٰ کہ اپنے نفس کو فراموش کر دیا تھا؟ کیا یہ وہی راستہ نہیں ہے جس میں سالکِ راہِ طریقت اسکر، محویت اور فنا کا درجہ حاصل کرتا ہے؟ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ تصوف وہی ریاضت اور مجاہدہ، ذوق اور وجد، کشف اور مشاہدہ اور اس مصدرِ اوّل سے وابستگی کا معاملہ نہیں ہے جس نے دنیا پیدا کی اور دنیا میں اللہ کی نشانیوں کے طور پر حق، خیر اور جمال کو نیست سے ہست کیا؟ کیا یہ وہی آئینۂ حقیقت نہیں ہے جس کی تجلّی آنحضرتؐ پر پرتو فگن ہوئی تھی اور آپ کے بعد زہّاد و عُبّاد اور صوفیائے اکرام پر، جس نے قلب کو نورِ ایمان اور اشراقِ یقین سے بھر دیا تھا؟

ہاں! محمدؐ نے اپنے دورِ عزلت نشینی اور غور و فکر میں جو کچھ پایا، صوفیا کی زندگی پر ریاضات اور مجاہدات کے بعد اسی کا پرتو پڑا۔ یہی وہ راستہ تھا جس نے تصفیۂ نفس، تنقیۂ قلب اور راحتِ روح کا دروازہ کھولا۔ اس نے اس راستہ کی طرف رہنمائی کی کہ انسان یکسوئی کے ساتھ احوال و معاملاتِ روح و کائنات پر غور کر سکے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

یہاں ایک معترض یہ کہہ سکتا ہے کہ آنحضرتؐ نے غارِ حرا میں عزلت نشینی اور خلوت کی جو زندگی

بسر فرمائی تھی۔ اس کا تعلق آپؐ کی حیاتِ رسالت و نبوّت سے تو کچھ نہیں۔ اس وقت تک نہ آپؐ نبوّت کے منصب پر فائز ہوئے تھے نہ رسالت کے، بلکہ یہ زندگی عرب جاہلیت کی زندگی تھی۔ یہ وہی زندگی تھی جیسے دورِ جاہلیّت میں انہوں نے بسر کیا۔ وہ اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ کائنات اور صانعِ کائنات کے معاملات و مسائل پر غور کرتے تھے۔ اور خلوت و عزلت کی زندگی بھی بسر کرتے تھے۔ لہٰذا ہم نے صوفیا اور عبّاد و زہّاد کی جو زندگی پیش کی ہے۔ اس کا تعلق اسلام سے بالکل نہیں۔ ہاں عرب جاہلیت سے ضرور ہے!

لیکن نگاہ غور سے دیکھئے تو یہ اعتراض بالکل لچر اور پوچ نظر آتا ہے۔ آنحضرتؐ نے غارِ حرا میں جو زندگی بسر فرمائی یہ کسی جاہل عرب کی سی زندگی نہ تھی بلکہ یہ نبوّت و رسالت کی زندگی کی تمہید تھی۔ اسی سے نبوّت کا آغاز ہوا اور یہیں سے آپؐ رسالت کے منصب گرامی پر فائز ہوئے۔ اسکو جاہلیت کی زندگی سے تعبیر کرنا خود جہالت و نادانی ہے۔

حرا کی خلوت کا نتیجہ

ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر آپؐ نے غارِ حرا میں خلوت اور عزلت کی زندگی بسر کر کے معرفت حاصل کی ہوتی اور اپنے تئیں منصب نبوّت کا سزاوار نہ قرار دیا ہوتا، اگر آپؐ کے نفس میں تزکیہ اور قلب میں جلا کا جوہر نہ پیدا ہو چکا تھا تو بظاہر کوئی وجہ نہیں تھی کہ اللہ تعالیٰ آپکو رسالت عظمیٰ کے منصب بلند پر فائز کرتا۔ خدائے بزرگ و برتر نے آپؐ کو یہ منصب سونپا تو اس لئے کہ آپؐ کی روح پاک ہو چکی تھی۔ آپ کا دل صاف ہو چکا تھا۔ آپؐ کا نفس جلا حاصل کر چکا تھا۔ آپؐ میں نبوّت اور رسالت کی پوری استعداد پیدا ہو چکی تھی اور یہ سب کچھ اس لئے ہوا تھا کہ آپؐ دنیا کے شور و شر سے الگ، دنیا والوں سے دور، غارِ حرا میں تأمل اور تفکّر کی زندگی بسر فرما کر اپنے تئیں منصب نبوّت و رسالت کا اہل قرار دے رہے تھے۔

ضروری ہے کہ ان اصولی اور بنیادی باتوں کے بعد ہم اسلام میں روحانی زندگی کے آغاز و ابتدا پر گفتگو کریں۔ اور پھر زہاد و عباد اور صوفیا کی زندگی کی اصل و اساس پر روشنی ڈالیں۔

آنحضرتؐ کی زندگی کا ایک پہلو

اگر ہم معترض کے اس اعتراض کو تسلیم کر لیں کہ غارِ حرا میں آنحضرتؐ کی زندگی اور آپکے بعد صوفیا

اور زہاد و عباد کی زندگی — خلوت نشینی و عزلت گزینی، معرفتِ نفس، استغراق حق، فکر و تامل — دراصل جاہلانہ زندگی تھی۔ اس کا اسلامی زندگی سے کوئی تعلق نہ تھا۔ تو پھر ہم آپؐ کی زندگی کی اس حیاتِ نفسی کی کوئی توجیہہ نہیں کر سکیں گے۔ جس کی جھلک منصب نبوّت پر فائز ہونے کے بعد اور خاتم النبیینؐ بن جانے کے بعد بھی آپؐ کی حیات مبارکہ میں کبھی کبھی نظر آجاتی تھی۔ درحقیقت راہ خدا کی یہی بیخودی صوفیا کی زندگی کی اساس اور بنیاد ہے۔

روایت ہے کہ آنحضرتؐ پر کبھی کبھی وجد کی سی کیفیت نبوّت کے بعد بھی طاری ہو جاتی تھی۔ یہ وہ کیفیت ہے کہ جس میں انسان دنیا و مافیہا کو بلکہ خود اپنے آپکو فراموش کر دیتا ہے۔ چنانچہ روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہؓ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپؐ اسی کیفیت میں تھے۔ آپؐ نے جب عائشہؓ کو دیکھا تو پوچھا: "تم کون ہو؟"

وہ بولیں، "میں عائشہ ہوں"۔ پھر آپؐ نے فرمایا "عائشہ کون؟"

وہ بولیں، "بنت ابی بکر"۔ پھر آپؐ نے دریافت فرمایا۔ "ابوبکر کون؟"

وہ بولیں۔ "محمدؐ کے دوست"۔ آپؐ نے فرمایا۔ "محمدؐ کون؟"

اب حضرت عائشہ خاموش ہو گئیں کیونکہ انہوں نے جان لیا تھا کہ آپؐ دوسری کیفیت میں ہیں۔

محوّیت اور غلبت

یہ واقعہ اگر صحیح ہے تو اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ خدا کی یاد میں سکر و محوّیت اور غلبت کی بھی ایک منزل آتی ہے جب انسان اپنے وجود تک کو فراموش کر دیتا ہے۔ اور یہی پہ تو ہم کو صوفیا اور زہّاد کی زندگی میں نظر آتا ہے یعنی ان پر بھی ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ جو انہیں دنیا و مافیہا سے بے خبر کر دیتی ہے اپنے وجود تک سے وہ غافل ہو جاتے ہیں۔ اور یہ پرتو محمدؐ کی زندگی کا ہے۔ اس زندگی کا نہیں جو قبل از اسلام تھی بلکہ اس زندگی کا جو اسلام کے بعد ہمیں نظر آتی ہے۔ لہٰذا تصوف کے یہ منازل عرب جاہلیت سے نہیں بلکہ خالص اسلامی دور سے تعلق رکھتے ہیں۔۴

۴ [illegible] الفرقان ۲ [illegible] لیکچر [illegible] ڈاکٹر [illegible] پور

اولیاء اللہ کی صوفیانہ اصطلاحات

وحدت الوجود کی حقیقت

اکثر صوفیائے کرام کے حقائق و معارف مسئلہ وحدت الوجود سے متعلق ہوتے ہیں اور اس مسئلہ نے خلق کثیر کو گمراہ کر رکھا ہے۔ حضرات صوفیا کے اس قسم کے علم سے اکثر اہل نفس و ہوا دلیر ہو کر شرعی قیود سے نکل گئے ہیں، شرعی علوم کو قشور اور ان کو لبِّ لباب خیال کر کے ورطۂ الحاد و زندقہ میں جا پڑے ہیں اوّل وہ شخص جس نے دلائل عقلیہ و براہینِ نقلیہ سے اس مسئلہ کے متعلق گفتگو کی ہے ۔ وہ شیخ محی الدین ابن عربی ہیں، جنہوں نے علاوہ مکشوفات کے عقلی تصرّف کو بھی اس میں دخل دیا ہے۔ مصنّف "انسان کامل" کے علوم بھی اسی قبیل سے ہیں۔

علمائے ظاہر جب دیکھتے ہیں کہ ایسے علوم جن میں عابد و معبود کی ایک ہی حقیقت ہے، حدوث و قدیم کی ایک ہی هوّیت ہے ۔ اور خلق و حق کی ایک ہی انیّت ہے، تکلیفِ شرعی کو بالکل ساقط کر دیتے ہیں اور نیز جو آیات و احادیث بطور شواہد کے حقائق وجودیہ کی تائید میں پیش کی جاتی ہیں۔ ان میں سے اکثر ایسی ہوتی ہیں جو خالی از تکلّفات نہیں ہوتیں۔ اس لئے اکثر علمائے ظاہر صوفیا کرام سے بد اعتقاد ہو جاتے ہیں۔ ضرورت محسوس ہوئی کہ اس مسئلہ کے متعلق کچھ ایسی مختصر سی گفتگو کی جائے جس میں ان ہر دو غلطیوں کا انسداد ہو۔

وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ۝

وحدۃ الوجود کا اطلاق

معلوم ہونا چاہیے کہ لفظ "وحدت الوجود" کا اطلاق دو جگہوں پہ ہوتا ہے۔ کبھی اس کا استعمال سیر الی اللہ کے مباحث میں ہوتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ فلاں سالک کا مقام وحدۃ الوجود ہے۔ اور فلاں کا وحدۃ الشہود، یہاں وحدۃ الوجود کے معنی حقیقۃ الجامع کی معرفت میں مستغرق ہو جانا ہے جس میں جمیع عالم فانی ہو جاتا ہے۔ اور احکام تفرقہ و امتیاز جن پہ نیکی بدی کی معر

وشناخت مبنی ہے۔ اور نہایت اتم واوفیٰ بیانات واخبارات سے شرع وعقل بھی ان سے نبرد رہے ہیں، ساقط ہوجاتے ہیں۔ یہ ایک مقام ہے جس میں بعض سالکین کا وقوع وورود ہوا، پھر خدا نے اس سے ان کو مخلصی دی ہے۔

اور کبھی یہ لفظ حقائق الاشیاء کی معرفت میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ عالم ایک حقیقت واحدہ میں اعراض مجتمعہ کا نام ہے۔

جمیع افراد عالم کیا علویات کیا سفلیات، مثل امواج وحباب ہائے دریا ایک حقیقت میں قائم ہیں۔ صوفیہ کرام کی کتابوں میں یہ مباحث تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔ جن سے محققانہ طور پر مسئلہ وحدت الوجود کو صحیح ثابت کیا گیا ہے۔ اور بعض آیات واحادیث بھی بطریق اعتبارات واشارات، نہ بطریق تفسیر ومنطوق کلام ان کی اس تحقیق کی تائید کرتی ہیں اور یہ مباحث اس طور پر ہیں کہ جو شخص ان مباحث کی جمیع جہات کو پورے طور پر احاطہ کرے اُسے معلوم ہوجاتا ہے کہ مسئلہ وحدت الوجود کو در اصل عقلی وشرعی احکام سے کوئی جنگ وپیکار نہیں کیونکہ قائلین وحدت الوجود مراتب وجود اور ہر مرتبہ وجود کے احکام کے قائل ہوتے ہیں۔ اور ان کا مشہور قول ہے ؎ گر فرق مراتب نکنی زندیقی۔ اور دوسرا شعر گر حفظ مراتب نکنی زندیقی۔

اگر ان صوفیہ کرامؒ کے علوم پر نگاہ ڈالی جائے جن کے معارف کا پایہ نہایت بلند ہے، مثلاً حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ، تو معلوم ہوتا ہے کہ صوفیہ کرام کے جمیع مکشوفات، تحقیقات اور انکشافات صحیح ہیں اور عالم ملکوت میں ایک اصل رکھتے ہیں لیکن ان کے مواطن اور سرچشمے ایک دوسرے سے جدا گانہ ہیں۔ شرعی علوم بطریق اعتبار واشارہ ان کی تائید کرتے ہیں نہ بطریق تفسیر وفحوائے کلام۔ اور یہ شرعی کلام وکمالات نبوّت کی ایک اعجازی خاصیّت ہے ورنہ شریعت کی راہ اور ہے اور ان صوفیوں کی راہ اور۔ جو مسائل وحدت الوجود، فنا وبقا اور لطائف کا منشہ فطرت کی تہذیب وتربیت میں اپنی تصنیفات چھوڑ گئے ہیں۔ نہ وہ صوفی جو بطن شریعت سے متحقق ہوتے ہیں۔ اسرار شریعت ان پر منکشف ہوتے ہیں۔ لطائف فطرت میں تمام مخلوق کیا علوی اور کیا سفلی، مثل امواج

دریا متعین ہے اور نفس کلیہ اپنی کسی موج کا نہ عین ہے نہ غیر۔

جیسا کہ اوپر کی مثال میں معلوم ہو چکا ہے۔ خدا تعالٰے کی شان تو اس سے بھی بالا تر ہے۔ وہ باوجود ہر ذرّہ میں ظاہر ہونے کے نہ عین ذرّہ ہے اور نہ غیر ذرّہ۔ تعالیٰ الشّانہٗ عمّا تصفون۔

ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ آیات و احادیث بطریق اعتبار و اشارہ حقائق و معارف وحدۃ الوجود پر دلالت کرتی ہیں نہ بطریق تفسیر۔ اعتبار و تفسیر میں فرق ہم مثال کے ذریعے واضح کرتے ہیں۔ اعتبار کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص لیلٰے و مجنوں کا قصّہ پڑھ رہا ہے۔ اور ایک عاشق اسے سن رہا ہے وہ اپنے آپ کو مجنوں اور اپنی معشوق کو لیلیٰ سمجھ کر قصّہ کی تمام باتیں اپنے اور اپنی معشوقہ کے حق میں سمجھ کر وجد میں آرہا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو کچھ وہ سمجھ رہا ہے وہ لیلیٰ مجنوں کا قصّہ نہیں ہے بلکہ وہ اعتبارات ہیں جو اس کے حال اور قصّے کی بعض مناسبات کے جوڑ سے پیدا ہوئے ہیں۔ اور تفسیر تو منطوق کلام ہے یعنی وہ اصل اغراض و مقاصد جن کے لئے کلام بولی گئی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔[1]

"جو لوگ ایسی کتابیں لکھتے ہیں، مؤلف ہوں یا مصنّف، ان کا مقصود تالیف و تصنیف سے اپنے نام کا دنیا میں زندہ رکھنا اور لوگوں کی نیک دعاؤں کا حاصل کرنا ہوتا ہے۔ جو میں نے اس کتاب کا نام "کشف المحجوب" رکھا ہے، اس سے مقصود یہ تھا کہ کتاب کا نام کتاب کے مضامین پر دلالت کرے اور خاص کر جب صاحبان بصیرت کتاب کا نام سنیں تو انہیں معلوم ہو جائے کہ یہ کتاب فلاں فن میں ہے۔

اور بخوبی معلوم کر لینا چاہیئے کہ بجز اولیاء اللہ و عزیزان درگاہ خدا باقی تمام جہان تحقیق کے لطیفہ سے محجوب ہے اور جب یہ کتاب خدا کے راستہ کے بیان اور بشریّت کے حجاب کھولنے میں ہے تو ماسوا اس کے اور کوئی نام موزوں نہ ٹھہرا۔ اور جو لوگ غینی ہیں ان کو کتاب پڑھنے سے فائدہ ہوگا۔ اور جو رینی ہیں ان کو کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ پس حجاب ذاتی یعنی رینی کبھی نہیں اٹھتا اور رین اور ختم اور طبع کے ایک ہی معنی ہیں۔ جیسا کہ

[1] انسان کامل، فقیر جنہوں نے میرا ایسا کرنے کی کوشش بورا

اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے۔ کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِہِمْ مَّا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ ٥ (ترجمہ) ہرگز نہیں بلکہ ان کی بدکرداریوں کی وجہ سے۔ ان کے دلوں پر داغ ہیں۔ اور نیز حق جلّ وعلا نے اس کا حکم، اس طرح کی معرفت، ان کے احکام اور ان کی تہذیب کے طریقے ان پر کھولے جاتے ہیں۔ یہ لوگ بطن شریعت کے مجدّد ہوتے ہیں"۔[1]

نفسِ کلیّہ

وحدت الوجود کے حقائق و معارف کا منبع و سرچشمہ نفس کلیہ ہے۔ جس کا نام کسی نے وجود منبسط لکھا ہے۔ اور کسی نے حقیقت محمدیّہ، کسی نے واحدیت اور کسی نے کتاب مسطور اور کسی نے سدرۃ المنتہٰی۔ غرض کہ اس کے بہت سے نام کتب متصوّفین میں مذکور ہیں۔ یہ تمام افراد عالم کیا روحانی کیا جسمانی، اس نفس کلیہ کے تنزلات و ظہورات ہیں۔ جس کی مثال کبھی تو دریا کی امواج سے دی جاتی ہے۔ اور کبھی یہ کہ مٹی ایک ہے اور مختلف تماثیل مثلاً گھوڑے، بیل، ہاتھی وغیرہ اسی ایک مٹی کے ظہورات ہیں۔ اسی طرح کی اور بہت سی مثالیں ہیں جو اس وجودی معرفت کی تائید کرتی ہیں۔ اور کبھی نقائص خلق کو حق میں اور کمالات حق کو خلق میں ثابت کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ اس کتاب "انسان کامل" میں اکثر جگہ ایسا ہی کیا گیا ہے۔ یہ سب نفس کلیّہ کے ظہور ہیں۔ ورنہ خدا تعالےٰ کی شان اس سے نہایت بلند و برتر ہے۔ لیکن چونکہ وہ نسبت جو نفس کلیّہ کو حق کے ساتھ ہے، دریافت نہیں کی جا سکتی۔ کہ آیا وہ نسبت ظہور ہے یا نسبت تکوین یا کوئی اور نسبت۔ نیز نفس کلیہ اپنی کمال درجہ کی لطافت و بساطت کی وجہ سے چونکہ حق سے مشتبہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے صوفیہ کرام کو ایسا مشہود و محسوس ہوتا ہے۔ کہ خلق عین حق ہے۔ لیکن اگر ظہور کی حقیقت و کیفیت سمجھی جائے تو نہ عینیّت ہے اور نہ غیریّت۔ دیکھو صورت نوعیہ انسانیہ نے زید، بکر، عمر وغیرہ بے شمار افراد میں ظہور کیا ہے۔ لیکن ہر فرد نہ تو انسان ہے اور نہ غیر انسان۔ اگر ہر فرد انسان عین ماہیّت انسان ہوتا تو ہر فرد دوسرے فرد کا بھی عین ہوتا۔ یہ صریح البطلان ہے۔ مثلاً زید اگر عین ماہیّتِ انسان ہوتا تو بکر بھی عین ماہیّت انسان ہوتا۔ اور یہ دونوں

---

[1] کشف المحجوب فصل نمبر ۵

آپس میں کبھی ایک دوسرے کے عین ہوتے۔ اور یہ امر صریحاً باطل ہے۔ اور یہ افرادِ انسانی غیر انسان کبھی نہیں ہیں۔ اس لئے کہ ہر فرد پر "انسان" صادق آتا ہے۔ اور کوئی فردِ انسانی ایسا نہیں جس پر "انسان" ٹھیک اور برابر طور پر صادق نہ آئے۔ پس ثابت ہوا کہ زید، بکر، عمر وغیرہ نہ عین انسان ہیں نہ غیر انسان باوجودیکہ صورت نوعیۂ انسانیہ بے شمار مظاہر میں ظاہر ہوئی مگر وہ اپنے عالم تجرّد میں ان تمام تعینات انسانیہ سے الگ تھلگ چیز ہے۔ بلا تغیّر و تبدّل وہ اپنے حیّزِ اطلاق و تجرّد میں اسی طرح موجود ہے جس طرح کہ پہلے تھی اور ظہور میں نہ ان افراد کی عین ہے نہ غیر۔

نوٹ عالمِ ملکوت میں ہر کلّ کا وجود ہے۔ اربابِ کشف نے معلوم کیا ہے کہ وہ وجود ایسے طور پر ہے کہ اپنے ہر فرد پر برابر اور صادق آتا ہے۔ انسان سے بالاتر کلّی حیوان ہے اور حیوان سے بالاتر جسم، اور جسم سے بالاتر جوہر اور جوہر سے بالاتر نفسِ کلیّہ ہے جس طرح ظاہر فرمایا ہے کہ اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا سَوَآءٌ عَلَیۡہِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَہُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡہُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ۝ ترجمہ: کافروں کا ڈرانا اور نہ ڈرانا ایک جیسا ہے۔ ہرگز نہ ایمان لائیں گے۔ اور اس کی علت خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ سے بیان فرمادی۔ یعنی اللہ عزّ وجل نے ان کے دلوں پر حجاب رینی ڈال دیا ہے۔ اور حجاب عارضی یعنی غینی کا کسی نہ کسی وقت اٹھنا جائز ہے کیونکہ ذات کا تغیر ہونا نا درات سے ہے اور حجاب صفتی یعنی عارضی کی تبدیلی ممکنات سے ہے[1]

اس کتاب "سرِّ وحدت" کو بھی سمجھنے والے قلیل انسان ہونگے، جیسا کہ میاں محمد بخش صاحب نے فرمایا ہے ؎

عاماں بے اخلاصاں اگے خاصاں دی گل کرنی
مٹھی کھیر پکا محمد، کتیاں اگے دھرنی

کتے یعنی جو لوگ دنیا کے طالب ہیں۔ حدیث ہے کہ دنیا مردار ہے۔ اور اس کا طالب کتا ہے

بقول علامہ اقبالؒ ؎

زباں سے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

[1] کشف المحجوب اردو داتا گنج بخشؒ

مسئلہ جبر و قدر

"ان حضرات اہل بیت کے ذکر میں ہے جو کہ طریقت والوں کے امام ہوئے ہیں اور پیغمبرؐ کے اہل بیت میں سے جو کہ ازلی طہارت سے مخصوص ہیں، ہر ایک کے لئے ان معانی میں کامل دسترس تھی اور سب کے سب اس طائفہ کے امام و پیشوا ہوئے ہیں۔ چاہے وہ خواص ہوں چاہے عوام اور میں ان میں سے ایک گروہ کا احوال تحریر کروں گا اگر اللہ عزّ وجل نے چاہا۔ ان میں سے ایک تو مصطفٰےؐ کے جگر کے ٹکڑے اور مرتضیٰؓ کے دل کی خوشبو اور فاطمۃ الزہراؓ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں۔ جن کا نام نامی ابو محمد حسن بن علیؓ ہے۔ آپ کے اس طریقہ میں نظر کامل تھی۔ اور اس معنی کی عبارتوں کے دقائق میں آپ کو حظ وافر ملا ہوا تھا۔ آپکے وصیّت نامہ میں لکھا ہوا ہے۔ عَلَیْکُمْ بِحِفْظِ السَّرَائِرِ فَاِنَّ اللّٰہَ مُطَّلِعٌ عَلَی الضَّمَائِرِ ہ یعنی تم اپنے بھیدوں کو پوشیدہ رکھو، اس لئے کہ اللہ عزّ وجل تمام پوشیدہ بھیدوں پر واقفیت رکھتا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ بھیدوں کی حفاظت کے لئے مامور و مخاطب ہے۔ پس بھیدوں کی حفاظت غیروں کی طرف توجہ نہ کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ اور ضمیروں کی حفاظت حیا کی مخالفت سے کس طرح حاصل ہوگی۔ اور مذکور ہے کہ جب قدریوں نے غلبہ حاصل کیا اور معتزلہ کا مذہب دنیا میں بہت پھیل گیا تو اس وقت حسن بصریؒ نے حضرت حسنؓ بن علیؓ کی طرف خط لکھا جس کا مضمون لفظ بہ لفظ یہ ہے:۔

"خدا کا سلام تم پہ ہو اے پیغمبرؐ کے بیٹے، اور ان کی آنکھوں کے نور اور خدا کی رحمتیں اور برکتیں آپ پہ ہوں کہ تم سب کے سب بنی ہاشم مانند ان کشتیوں کے ہو جو کہ نہایت گہرے دریا میں چل رہی ہوں اور چمکنے والے ستارے اور ہدایت کے علم اور دین کے امام ہو، جو شخص تمہاری فرمانبرداری کرے گا، نجات پائے گا۔ جیسے کہ نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار ہونے والوں کی نجات ہوئی تھی۔ اے پیغمبرؐ کے بیٹے! آپ ہمارے اس تحیّر میں جو کہ ہمیں قدر اور استطاعت کے اختلاف میں واقع ہو رہا ہے۔ کیا فرماتے ہیں؟ تاکہ

ہم معلوم کریں کہ آپ کی اس میں کیا روش ہے۔ اور آپ جناب نبی کریمؐ کی اولاد میں۔ آپ کا علم کبھی نہ منقطع ہوگا۔ اور آپ کا علم اللہ عزّ وجل کی تعلیم سے ہے اور آپ کا محافظ اللہ وجل ہے۔ آپ اللہ وجل کے حکم سے مخلوقات کے محافظ ہیں۔[1]

اور جب یہ خط حضرت حسنؓ بن علیؓ کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے یہ جواب لکھا :۔

"جو کچھ تو نے اپنی حیرت سے تحریر کیا ہے اور نیز ہماری اُمّت کے متعلق قدر کے مسئلہ میں تحریر فرمایا ہے، اس میں میری سنجیدہ اور صحیح رائے یہ ہے کہ جو شخص اللہ عزّ وجل کی طرف سے نیکی اور برائی کا مقدر ہونا تسلیم نہ کرے' وہ کافر ہے۔ اور جو گناہوں اور نافرمانیوں کو خدا تعالےٰ کی طرف منسوب کرے۔ وہ کھلم کھلا بدکار ہے، یعنی تقدیر کا انکار قدریوں کا مذہب ہے۔ اور گناہوں اور نافرمانیوں کو خدا تعالےٰ کی طرف منسوب کرنا مذہب جبریوں کا ہے۔ اور بندہ کو حق جلّ وعلا کی طرف سے جس قدر توفیق ملی ہے۔ اسی کے موافق اپنے کسب میں اختیار دیا گیا ہے۔ اور ہمارا مذہب قدر اور جبر کے درمیان ہے" ۔

اور میری مراد اے طالب صادق! اس نامہ سے بجز ایک کلمہ کے اور نہ تھی مگر میں نے سب کو اس لئے تحریر کیا کہ بہت ہی عمدہ تھا اور اس جملہ کو میں اس لئے لایا ہوں کہ امام حسنؓ حقائق اور اصول کے علم میں اس درجہ پر تھے کہ حسن بصریؒ کے اشارات اور علم میں کامل ہونے کے باوجود ان کا دسواں حصہ بھی نہ رکھتے تھے۔

اور میں نے حکایات میں لکھا پایا ہے کہ ایک اعرابی جنگل سے آیا۔ اور امام حسنؓ اپنے مکان کے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اور یہ مکان کوفہ میں تھا۔ اس اعرابی نے آتے ہی آپ کو ماں باپ کی گالیاں دینی شروع کیں۔ آپ نے فرمایا، اے اعرابی! کیا تجھے بھوک لگی ہوئی ہے۔ یا پیاس! یا تجھے کوئی آزار پہنچا ہے۔ اور وہ بار بار یہی کہہ رہا تھا کہ تو ایسا تیرے ماں باپ ایسے تھے۔ امام حسنؓ نے غلام کو فرمایا کہ اس اعرابی کو وہ بدرہ روپوں کا لاکر دیدو۔ اور فرمایا کہ اے اعرابی! تو مجھے

---

[1] کشف المحجوب حضرت داتا گنج بخشؒ

معذور تصور کر کہ ہمارے گھر میں بجز اس کے کوئی روپیہ نہیں ورنہ میں تجھ سے دریغ نہ رکھتا۔ جب اعرابی نے یہ سنا تو جھٹ کہا اَشْهَدُ اَنَّكَ ابْنُ رَسُوْلِ اللّٰهِ (کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو پیغمبرؐ کا بیٹا ہے)، اور اس جگہ میں تیرے حلم کی آزمائش کے لئے آیا تھا اور یہ صفت اچھے محبان خدا کی ہوتی ہے۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک مخلوقات کا بھلا بُرا کہنا ایک جیسا ہو جاتا ہے ۔ وہ ان کے بُرا کہنے سے کبھی خفا نہیں ہوتے"[۱]

تمام بزرگان دین کا یہی ایمان ہے کہ پہلے چالیس برس کی عمر میں حضورؐ نے کوئی دعوےٰ نبوت نہیں کیا، کوئی بات نہیں کی چپ چاپ عبادت کرتے رہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ ہجویریؒ کشف المحجوب کے معرفت کے باب میں فرماتے ہیں :-

" جناب نبی کریمؐ نے فرمایا ہے۔ اَنَا اَفْصَحُ الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ" یعنی جب تک غیبت کی حالت میں تھے یہی فرماتے رہے کہ میں عرب و عجم کا فصیح ہوں۔ جب آپؐ غیبت سے حضوری میں آئے ۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ میری زبان میں اے بار خدایا! تیری ثنا کہنے کی طاقت نہیں ہے ۔ میں کیا کہوں کہ کلام کہنے سے گونگا ہوا ہوں اور حال سے بیحال ہوں ۔ تو وہی ہے کہ تو ہے ۔ میرا کلام میرے ساتھ ہو گا یا تیرے ساتھ ہو گا ۔ اگر اپنے آپ کے ساتھ کہوں تو محجوب ہوں گا ۔ اگر تیرے ساتھ کہوں تو اپنے کسب کے ساتھ تیرے قرب کی تحقیق میں معیوب ہوں گا ۔ پس میں نہیں کہتا ۔ حکم آیا کہ اے محمدؐ! ہم کہتے ہیں لَعَمْرُكَ اِذَا سَكَتَّ عَنْ ثَنَائِیْ فَالْكُلُّ مِنْكَ ثَنَائِیْ ۞ ترجمہ ۔ یعنی جب تو اپنے آپ کو میری ثنا سے عاجز شمار کرتا ہے ۔ میں تمام عالم کے اجزا کو تیرا نائب کرتا ہوں تاکہ وہ میری ثنا کہیں اور پھر اس کو تیرے سپرد کر دیں ۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ ؛

حالانکہ صفت کرتے تھے، نماز جو پڑھتے تھے ۔ مگر آپؐ وحدت مطلق میں تھے ۔ آپؐ جو کام کرتے خدا ان کے کام کو اپنی طرف منسوب کرتا ۔ ہاتھ نبیؐ کا ہونا، فعل خدا کا ہونا ۔ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۔ اے محمدؐ! جو مٹھی دشمنوں کے منہ پر تو نے ڈالی تھی ۔ وہ تو نے نہیں ڈالی تھی ۔ بلکہ ہم نے ڈالی تھی ۔ جیسا کہ ایک فعل اسی جنس سے داؤد علیہ السلام سے حاصل آیا ۔ اس کو کہا ۔ قَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ یعنی

[۱] کشف المحجوب سے لیا گیا ہے

داؤدؑ نے جالوت کو مارا۔ کیونکہ داؤدؑ تفرقہ کی حالت میں تھے۔ اور فرق ہوتا ہے۔ درمیان اس کے جو اس کے فعل کو اس کی ذات کی طرف نسبت کی جائے، اور وہ محل آفت اور حوادث کا ہوتا ہے، اور درمیان اس شخص کے کہ جس کے فعل کو خداوند کریم اپنی طرف نسبت کرے۔ وہ قدیم اور بے آفت اور بے حوادث ہے۔ جب حق تعالےٰ کا فعل ظاہر ہوتا ہے آدمیوں پر۔ اور وہ آدمیوں کے افعال کی جنس سے نہیں ہوتا تو خواہ مخواہ ضروری وہ فعل حق جل جلالہٗ کا ہوتا ہے۔ اور معجزے اور کرامتیں سب اس سے پیوستہ ہوتی ہیں۔ پس فعل معتادہ سب کے سب تفرقہ ہوتے ہیں۔ اور خلاف عادت فعل سب کے سب جمع ہوتے ہیں۔ اس واسطے کہ ایک رات میں قاب قوسین تک ہو آنا موافق عادت نہیں ہے۔ اور یہ بجز فعل حق تعالےٰ کے نہیں ہوتا۔ اور بہت ہی فصیح کلام کرنا موافق عادت کے نہیں ہے۔ اور یہ بھی خدا ہی کا فعل ہو سکتا ہے۔

پس حق تعالےٰ نے انبیاء اور اولیاء کو یہ کرامتیں عطا کیں اور اپنے فعل کی ان کی طرف نسبت کی اور ان کے فعل کو اپنی طرف نسبت کیا۔ جب فعل دوستوں کا اس کا فعل ہوتا ہے اور بیعت ان کی خدا کی بیعت اور ان کی فرمانبرداری خدا کی فرمانبرداری۔ جیسا کہ فرمایا۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ ہ یعنی اے میرے حبیبؐ! تحقیق وہ لوگ جو آپؐ سے بیعت کرتے ہیں، سوا اس بات کے نہیں کہ وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ نیز فرمایا۔ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ ہ یعنی جس نے رسولؐ کی پیروی کی اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی (یہ بھی توحید مطلق ہے)۔[1]

یہ ایسی توحید ہے کہ اگر ایک سمجھو تو ایک ہے۔ دو سمجھو تو دو ہیں۔ حضرت مجددؒ فرماتے ہیں ؎

جس نے انسانہ کہا افسانہ ہے جس نے دیکھا نقد وہ مردانہ ہے
خون تھا قبطی کے حق میں آب نیل موسوئ کو آب تھا بے قال وقیل

ایک ہی چیز ایک کو اور نظر آتی ہے۔ دوسرے کو اور۔ یہ اللہ صاحب کا راز اور بھید ہے خالق مخلوق، حادث قدیم، عاشق معشوق، ساجد مسجود۔ عابد معبود۔ جب تک دو عدد معلوم ہوتے ہیں تمام جہان و موجودات کثرت میں ہے، اور یہ شرک ہے۔ مگر شرعی لحاظ سے دو کی ہستی

[1] کشف المحجوب، باب معرفت

ہی ماننا پڑے گی - ایک خدا دوسرا رسول اللہؐ - اگر انسان دو نہ مانے تو کافر ہے - اس کو حفظ مراتب نکنی زندیقی، کہا جاتا ہے - اور اگر ایک نہ مانے تو بھی کافر ہے -

شریعت اور طریقت دو ہیں - شریعت ظاہر ہے اور طریقت باطن ہے - شریعت مثل جسم ہے اور طریقت مثل روح ہے - اگر جسم سے روح نکل جائے تو جسم اسی وقت مردہ ہو جاتا ہے اگر صرف شریعت ہو اور طریقت نہ ہو تو ایسے انسان کی کل عبادت بے روح ہے، مردہ ہے - اگر ایک انسان صرف طریقت میں لگا رہے اور شریعت کو چھوڑ دے تو وہ زندیق ہوتا ہے - شریعت و طریقت دونوں کو قائم کرنیوالا محقق ہوتا ہے - شریعت ضروری امر ہے پہلے شریعت ہے پھر طریقت، اگر طریقت کا انکار ساری شریعت کا انکار ہے - شریعت میں دو ہستیاں اس واسطے ہیں کہ ہر کلام دو آدمی ہی کر سکتے ہیں - اگر ایک ہی ہستی ہوتی جیسا کہ پہلے ذات واحد تھی - اور کوئی چیز نہ تھی تو اس وقت کلام بھی نہ ہوتا - صرف خالق ہوتا مخلوق نہ ہوتی - اگر مخلوق نہ ہوتی تو خالق کا نام کون لیتا - کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ -

جد احد واحد اکلاسی او بھے رب رسول نہ اللہ سی

ایک خالق ایک مخلوق - دو ہستیاں بن گئی ہیں - کیونکہ اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا - ورنہ خدا جیسا پہلے ایک تھا ویسا ہی اب بھی ایک ہے - یہ مخلوق عدم محض ہونے کے باوجود مستقل ہو گئی ہے - یہ دوئی غیریت اعتباری ہے - حقیقت میں خدا واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں - مخلوق فانی چیز ہے - کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ وَّیَبْقٰی وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۔ فانی کو فانی سمجھ اور باقی کو باقی سمجھ لے - حضرت ابراہیم ادہمؒ فرماتے ہیں پس تو اپنے حق میں بمنزلہ مخلوق کے ہے جب تو اپنے آپ سے منہ موڑے گا تو گویا تو نے سارے جہان سے منہ موڑ لیا -

رُباعی

ہم مٹ گئے تو صورت بستی نظر پڑی ویراں جب آپ ہو گئے تو ہستی نظر پڑی
دیکھا تو خاکساری ہی عالی مقام ہے جوں جوں بلند ہم ہوئے پستی نظر پڑی

ے وہ ہے پاس میرے میری بدگمانی — لئے پھرتی مجھ کو کہیں سے کہیں ہے

تطہیر القلبی ہر آن میں رکھیں۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا تحقیق جس نے پرہیزگاری کی اس نے نجات پالی۔

"اے عزیز! جان کہ اللہ تعالےٰ کے پہچاننے کی چابی اپنے نفس کا پہچاننا ہے۔ اور اسی لئے کہا ہے۔ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ اور اسی واسطے اللہ تبارک وتعالےٰ نے فرمایا۔ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْۤ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ (ہم اپنی نشانیاں جہان میں اور انسانوں میں دکھاتے ہیں تاکہ حقیقت حق ان پر ظاہر ہو) تمام چیزوں میں کوئی چیز سوائے تیرے اپنے آپ سے قریب تر نہیں ہے۔ اگر تو اپنے آپ کو نہیں پہچانتا تو دوسری چیزوں کو کس طرح پہچانے گا۔ اگر تو یہ کہتا ہے کہ میں اپنے آپ کو پہچانتا ہوں تو یہ غلط ہے۔ کیونکہ اس طرح کی پہچان اللہ تعالےٰ کی معرفت کی چابی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس طرح تو اپنے آپ کو جانور بھی پہچانتے ہیں۔ جس طرح تو اپنے ظاہری ہاتھ پاؤں و سر و گوشت پوست سے زیادہ نہیں جانتا۔ اور اپنے باطن سے صرف اسی قدر جانتا ہے کہ جب بھوکا ہوتا ہے۔ روٹی کھاتا ہے۔ جب غصہ میں آتا ہے کسی سے لڑتا ہے اور جب شہوت غلبہ کرتی ہے۔ نکاح کرتا ہے۔ اور تمام جانور ان باتوں میں تیرے برابر ہیں۔ پس تجھے اپنی حقیقت کو پہچاننا چاہیے کہ تو خود کیا چیز ہے۔ اور کہاں سے آیا ہے۔ اور کہاں جائے گا۔ اور اس دنیا میں کیا کرنے آیا ہے۔ اور تجھے کس لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اور تیرے لئے نیکی کیا ہے۔ اور کس چیز میں ہے! اور تیری بدبختی کیا ہے اور کس چیز میں ہے۔ اور یہ صفات جو تیرے باطن میں جمع ہیں ان میں سے بعض چوپایوں کی ہیں۔ بعض درندوں کی۔ بعض شیطانوں کی ہیں اور بعض فرشتوں کی ہیں۔ تو ان سب میں کون ہے اور کیا ہے۔ جو تیری حقیقت ہے اور کون کون سی صفات تجھ میں عارضی اور کسبی ہیں۔ کیونکہ جب تک یہ نہ جانے گا اپنی سعادت نہ پائے گا۔ اور ان میں سے ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ غذا اور علیحدہ علیحدہ سعادت ہے۔ چارپایوں کی غذا اور سعادت کھانا، سونا اور مجامعت کرنا ہے۔ اگر تو بھی یہی ہے تو دن رات اسی میں کوشش کر

تاکہ تیرے پیٹ اور فرج کا کام درست رہے۔ درندوں کی غذا اور سعادت مارنا اور لڑنا اور غصہ کرنا ہے اور شیطانوں کی غذا شرانگیزی اور مکر و حیلہ کرنا ہے۔ اگر تو ان سے ہے تو انہی کے کام میں لگا رہ۔ تاکہ اپنی راحت اور نیک بختی کو پہنچے۔ اور فرشتوں کی غذا اور سعادت جمال الٰہی کا دیکھنا ہے۔ اور ان کو چارپایوں اور درندوں کی صفات سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر تیری فطرت فرشتوں کی ہے۔ تو کوشش کر تاکہ اللہ تعالےٰ کو پہچانے اور اس کے جمال کو دیکھے اور اپنے آپ کو شہوت و غضب کے ہاتھوں رہائی دلائے اور اس کی طلب کرے تاکہ یہ سمجھ سکے کہ یہ چارپایوں اور درندوں کی صفات تجھ میں کس نے پیدا کی ہیں؟ کیا ان کو اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ تجھے قید کریں۔ اور اپنی خدمت میں رکھیں اور مسخر کریں یا اس لئے کہ تو ان کو اسیر کرے اور سفرِ عاقبت جو تجھے درپیش ہے اس میں ان سے کام لے اور اپنی سعادت کا تخم ان کی مدد سے حاصل کرے اور ان کو اپنی رانوں میں دبائے اور اپنی سعادت گاہ کی طرف توجہ کرے۔ خاص لوگ اسے جناب الٰہیت کہتے ہیں اور عام لوگ بہشت۔ اور یہ تمام باتیں تیرے سمجھنے کے لئے ہیں تاکہ تجھے اپنی حقیقت کا علم ہو جائے۔ اور جس نے انہیں نہ جانا۔ دین میں اسے خجالت رہی۔ اور دین کی اصلیت سے وہ حجاب میں رہا ٭

فصل

اگر تو اپنے آپ کو پہچاننا چاہتا ہے۔ تو جان کہ تجھے دو چیزوں سے پیدا کیا ہے۔ ایک یہ ظاہری جسم جسے تن کہتے ہیں اور ظاہری آنکھ سے دیکھتے ہیں۔ دوسرے باطنی معنے ہیں جس کو نفس، دل اور جان کہتے ہیں۔ اور انہیں باطن کی آنکھ سے دیکھ سکتے ہیں۔ ظاہر کی یہ آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں اور تیری حقیقت یہی معنیٰ باطن ہے۔ اور جو اس کے سوا ہے۔ اسی کا تابع، خدمت گار اور لشکر ہے اور اسی حقیقت کا نام ہم نے دل رکھا ہے۔ اور جب ہم دل کی نسبت بیان کریں گے۔ تو جان لینا اس سے حقیقت آدمی مراد ہوگی۔ اور کبھی اس کو روح اور نفس بھی کہتے ہیں۔ اور اس دل سے گوشت کا وہ ٹکڑا مراد نہیں ہے جو سینہ کے بائیں جانب ہے۔ اس کی کوئی قدر نہیں ہے۔ یہ جانوروں اور مُردوں کے بھی ہوتا ہے۔ لیکن وہ دل جس سے

حقیقت انسانی مراد ہے۔ اسے ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھا جا سکتا اور جو چیزیں ہم ان آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ وہ اسی عالم سے متعلق ہیں جسے ہم عالم شہادت کہتے ہیں۔ اور دل کی حقیقت اس عالم سے نہیں ہے۔ وہ اس جہان میں بطور مسافر آیا ہے۔ اور وہ ظاہر گوشت کا ٹکڑا اس کے لئے سواری اور ہتھیار ہے اور تمام اعضاء اس کا لشکر ہیں۔ اور وہ تمام جسم کا بادشاہ ہے اور خدا تعالے کی معرفت اور اس کے جمال کا مشاہدہ اس کی صفت ہے۔ اس کے لئے تکلیف عبادت ہے۔ اسی سے خطاب ہے اور ثواب وعذاب بھی اسی کے لئے ہے اور اصلی سعادت و شقاوت بھی اسی کے لئے ہے۔ اور تن ان تمام باتوں میں اس کا محکوم ہے۔ اور اس کی صفات اور حقیقت کا جاننا اللہ تبارک وتعالے کی معرفت کی کنجی ہے۔ اس کے پہچاننے کے لئے کوشش کر کہ وہ ایک عجیب موتی ہے۔ اور فرشتوں کے گوہر کی جنس سے ہے۔ اور اس کا اصلی معدن اللہ تعالے کی جناب ہے۔ وہ وہیں سے آیا ہے اور وہیں جائے گا۔ اس جگہ صرف مسافرانہ طریق پر تجارت اور کاشتکاری کے لئے آیا ہے۔ اور تجارت، کاشتکاری کے معنے آگے بیان ہوں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ عزّوجل۔

فصل اے عزیز! جب تک دل کی حقیقت نہ جانے گا۔ اس کی ہستی کو کس طرح پہچانے گا۔ پس اس کی حقیقت کو سمجھو کہ کیا چیز ہے۔ اور اس کے لشکر کو پہچان کہ دل کو اس سے کیا تعلق ہے۔ پھر اس کی صفات کو دیکھ کہ حق تعالے کی معرفت اسے کیونکر حاصل ہوتی ہے۔ اور یہ اپنی سعادت کو کس طرح پہنچتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کا بیان آگے آئے گا۔ لیکن دل کی ہستی تو ظاہر ہے۔ کیونکہ آدمی کو اپنی ہستی میں کچھ شک نہیں لیکن اس کی ہستی سے مراد یہ ظاہری جسم نہیں ہے کیونکہ یہ مردہ کا بھی ہوتا ہے۔ جس میں جان نہیں ہوتی اور ہماری مراد اس دل سے روح کی حقیقت ہے۔ کیونکہ جب یہ روح نہیں ہوتی تن مردہ ہوتا ہے اگر کوئی اپنی آنکھیں بند کر لے اور اپنے جسم کو بھلا دے اور زمین و آسمان اور ہر چیز کو جسے وہ آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے۔ فراموش کر دے تو وہ اپنی ہستی کو پہچان لیتا ہے۔ اور اپنے آپ کو

جان جاتا ہے۔ اگرچہ وہ اپنے جسم اور زمین و آسمان اور تمام دوسری چیزوں سے بےخبر ہوتا ہے۔ اور اگر اس میں کوئی اچھی طرح غور و فکر کرے تو کچھ آخرت کی حقیقت بھی پہچان لے اور یہ سمجھ لے کہ جب اس کا جسم چھین لیں گے اس کا قائم رہنا اور فنا نہ ہونا ضروری ہے۔

فصل

لیکن حقیقتِ دل کہ وہ کیا چیز ہے اور اس کی خاص صفت کیا ہے، شریعت نے اجازت نہیں دی کہ اس کو بیان کیا جائے۔ اور اسی واسطے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شرح نہیں کی اور جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ وَیَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ اس سے زیادہ کہنے کی اجازت نہیں ہوئی کہ روح اللہ تعالےٰ کے کاموں اور عالم امر سے ہے۔ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ عالم خلق جدا ہے اور عالم امر جدا۔ جس چیز کیلئے ناپ، اندازہ اور کمیت ہے اسے عالم خلق کہتے ہیں۔ اسلئے کہ لغت میں خلق کے معنی اندازہ کرنے کے ہیں۔ اور آدمی کے دل کے لئے اندازہ اور کمیت نہیں اور یہ اسی لئے تقسیم قبول نہیں کرتا۔ اگر یہ تقسیم قبول کرنے کے قابل ہوتا تو اس کے ایک جانب کسی چیز کا علم ہوتا اور دوسری چیز کا اسی جانب جہل ہوتا۔ اور یہ ایک ہی وقت میں عالم بھی اور جاہل بھی ہوتا۔ اور یہ باتیں محال ہیں۔ اور باوجودیکہ روح قابل تقسیم نہیں ہے اور مقدار کو اس میں دخل نہیں، مگر مخلوق ہے اور پیدا کی ہوئی ہے۔ اور جس طرح خلق پیدا کرنے کو کہتے ہیں ویسا ہی اندازہ کرنے کو کہتے ہیں۔ پس اس لحاظ سے روح عالم خلق سے ہے۔ اور دوسرے معنی کے لحاظ سے عالم امر سے ہے نہ کہ عالم خلق۔ عالم امر ان چیزوں سے مراد ہے جن کے لئے ناپ اور اندازہ نہیں۔ اور جن لوگوں نے روح کو قدیم سمجھا ہے، غلط ہے۔ اور جنہوں نے عرض تصور کیا ہے وہ بھی غلطی پر ہیں۔ کیونکہ عرض کے لئے خود قیام نہیں اور دوسروں کا تابع ہوتا ہے۔ اور جان آدمی کی اصلیت ہے۔ اور تمام جسم اس کا تابع ہے۔ پس روح عرض کیونکر ہوئی۔ اور جن لوگوں نے روح کو جسم کہا ہے۔ غلط کہا ہے کیونکہ جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو سکتا ہے لیکن روح ٹکڑے نہیں ہو سکتی۔ ایک چیز اور ہے اسے بھی روح کہتے ہیں اور وہ روح ٹکڑے ٹکڑے

ہو سکتی ہے۔ اور جانوروں کے بھی ہوتی ہے۔ لیکن اس روح کو جسے ہم دل کہتے ہیں وہ خدا تعالیٰ کی معرفت کا مقام ہے۔ وہ چوپایوں کے نہیں ہوتی اور نہ وہ جسم ہے نہ عرض بلکہ فرشتوں کی جنس سے ایک گوہر ہے۔ اس کی حقیقت کو جاننا مشکل ہے۔ اور اس کی شرح کرنے کی اجازت نہیں اور راہ دین کی ابتداء میں اس کی پہچان کی ضرورت نہیں کیونکہ اوّل سب سے مجاہدہ ہے۔ اور جو کوئی ریاضت کرے گا۔ اس کی پہچان خود بخود اسے حاصل ہوگی۔ اور یہ معرفت منجملہ اس ہدایت کے ہے جو حق تعالیٰ نے فرمائی ہے۔ وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا۔ اور جس کسی نے ریاضت کے تمام مراحل کو طے نہ کر لیا ہو۔ اس سے حقیقت رُوح کے بیان کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ لیکن ریاضت سے پہلے دل کے لشکر کو جاننا چاہیے۔ کیونکہ جو لشکر کو نہ جانے گا۔ جہاد نہ کر سکے گا۔"[1]

باری تعالےٰ اور مخلوق کی مثال

شیخ شاذلی امام غزالیؒ کے ایک مکتوب سے جو آپ نے ایک دوست کو حقیقتِ روح کی نسبت لکھا نقل کرتے ہیں کہ:-

"رُوح ہست نیست نما ہے۔ کوئی اس کی کیفیت کو نہیں پہنچ سکتا۔ وہ سلطان اور قاہر ہے۔ سب اسی کا تصرّف ہے۔ جسم اس کا محکوم اور بے بس ہے۔ مگر نظر جسم ہی آتا ہے اور خود جسم اس سے بیخبر ہے۔ پس تمام جہان مثال جسم ہے اور قادرو قیوم کی مثال روح اور وہ قیوم عالم ہست نیست نما ہے۔ کہ ذراتِ عالم سے کوئی ذرّہ از خود کوئی وجود نہیں رکھتا۔ اسی قیوم کی قیومی سے قائم ہے۔ ہر وجود قیوم کی بخشش سے موجود ہے۔ وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ سے یہی مراد ہے مگر کوئی جسم کی جسم سے معیّت کے سوا اور کسی معیت کو نہیں جانتا یا عرض سے عرض کی معیت یا جسم سے عرض کی معیّت کو جانتا ہے۔ اور یہ تینوں قیوم عالم کے حق میں محال ہیں۔ لوگ اس معیّت کو نہیں سمجھ سکتے۔ قیومیت چوتھی قسم

[1] کیمیائے سعادت (ترجمہ اردو) مصنفہ حجۃ الاسلام امام غزالیؒ صفحہ ۱۱-۸

ہے۔ بلکہ حقیقی معیّت میں ہے۔ اور یہ بھی ہست نیست نما ہے۔ جو اس معیّت
کو نہیں پہچانتے وہ قیوم کو ڈھونڈتے ہیں اور نہیں پاتے ہیں۔

گفتگو مقام دوئی کا ہے۔ ہست نیست نما ہے۔ نیست ہست نما ہونا چاہیئے۔ توحیدی گونگا م
حروف گنگے معلوم ہوتے ہیں۔ حدیث مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ کی تفسیر یہ ہے
کہ جس نے اپنے آپ کو ساتھ فنا کے پہچانا، حق کو بقا کے ساتھ پہچانے گا۔ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ
اللّٰهِ اَحَدًا ہ (قرآن) "پس نہ پکارو ساتھ اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو"۔ پس خدا کو بلاؤ، خدا سے
بولو اور خدا سے چپکے سے سنو (قرآن) بقول علامہ اقبالؒ ؎

وہی جہاں ہے ترا جس کو تو کرے پیدا یہ سنگ و خشت نہیں جو تیری نگاہ میں ہے۔

ذکر کا بیان

"ابتدائے کتاب سے لے کر اس وقت تک متعدد مرتبہ لفظ "ذکر" استعمال کیا جا چکا ہے
لیکن اب تک یہ نہیں بتایا گیا کہ ذکر کیا ہے؟ ذکر اصطلاح صوفیہ میں اس کو کہتے ہیں۔ کہ انسان
خدا کی یاد میں تمام غیر خدا کو بھول جائے۔ اور حضور قلب سے خدا کی نزدیکی اور عبدیت حاصل
کرے۔ جیسا کہ ارشاد ہوا ہے۔ اَنَا مَعَ عَبْدِیْ (الخ) یعنی جب میرا بندہ مجھ کو یاد کرتا ہے
اور میرے نام سے اس کے ہونٹ حرکت کرتے ہیں تو میں اس کے ساتھ ہو جاتا ہوں۔ اور جو مجھ
کو یاد کرتا ہے۔ میں اس کا ہم نشین اور جلیس ہوں اور سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا۔ پوری
توجہ سے یادِ الٰہی میں اس طرح منہمک ہو جائے کہ اپنے نفس سے بالکل بیخبر ہو جائے۔
اور اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ (الخ) کے زمرہ میں داخل ہو جائے اور ذکر اس کی زندگی ہو جائے
جاننا چاہیئے کہ ذکر کی بہت سی قسمیں ہیں لیکن مقصود ذکر سے مطلوب کا حاصل ہو جانا ہے۔ تو جس

لہ دیباچہ کتاب اکسیر ہدایت ترجمہ کیمیائے سعادت مصنف حجۃ الاسلام امام غزالیؒ صفحہ نمبر ۲۱

عمل سے یہ فائدہ ہو جائے وہی ذکر کہا جا سکتا ہے۔ خواہ وہ نماز، روزہ ہو یا درود شریف اور دعائیں ہوں۔ لیکن یہ مقصد اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا ہے، جب تک کہ ذاکر اپنے کو مٹا نہ دے۔ طالب خدا اس کے ذکر میں اس طرح منہمک ہو جائے کہ اپنے کو اور تمام غیر اللہ کو بھول جائے۔ **رباعی** خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ

خود کو اتنا مٹا کہ تو نہ رہے — تیری ہستی کا رنگ و بو نہ رہے
ھو میں اتنا وصال پیدا کر — کہ بجز ھو کے غیر ہو نہ رہے

مراقبۂ رؤیت خدا کی رؤیت کا تصور کرے۔ اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی (کیا نہیں جانتا کہ خدا دیکھتا ہے۔) پر غور کرے۔ اور اس پر یہاں تک مواظبت کرے کہ اس صورت کے دیکھنے کا ملکہ پیدا ہو جائے۔

مراقبۂ معیّت وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ (جہاں کہیں تم خدا تمہارے ساتھ ہے) کے معنی کے ساتھ تصور کرے اور یقین کرے کہ خلوت اور جلوت، بیماری و صحت، غرض ہر حالت میں خدا میرے ساتھ ہے۔ اور اسی خیال میں مستغرق ہو جائے

کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ وَّیَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ ۝

مراقبۂ اقربیّت نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ (ہم انسان کے رگ وجان سے بھی زیادہ قریب ہیں) پر تصور معنی کے ساتھ غور کرے اور اس خیال میں محو ہو جائے کہ خدا مجھ سے قریب ہے۔

مراقبۂ وحدت ہمہ اوست اور ھُوَ الْاَوَّلُ وَھُوَ الْاٰخِرُ اس کا وجود ہر جگہ جلوہ فرما ہے اور ابتدا اور انتہا میں وہی ہے۔ زبان سے کہے اور تصور کرے کہ اس کے سوا کوئی نہیں ہے اور اسی خیال میں مستغرق ہو جائے۔

مراقبۂ فنا کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ (الآیۃ) دنیا کی تمام چیزیں فانی ہیں اور بزرگ خدا باقی رہے گا۔ کے معنی کے تصور کے ساتھ خیال کرے کہ تمام

چیزیں فنا ہو جائیں گی اور ذات باری جو بے کیف ہے ہمیشہ رہے گی، اور چشم دل سے دیکھے اور اس خیال میں محو ہو جائے تاکہ اس کے معنی اور بھی منکشف ہو جائیں اور اس کے وجود کو فنا اور علم و عقل کو اضمحلال حاصل ہوئے"

یہی طریقہ نقشبندی ہے کہ طالب تصوّر اسم ذات ہر وقت اور ہر حال میں رکھے۔ اسم ذات کا نقشہ یہ ہے: "للّٰہ" بسم اللہ شریف کا ورد کرے، کسی کامل ولی اللہ کی بیعت کرے پھر اس کی صحبت اختیار کرے۔ جو کچھ وہ فرمائے اس پر عمل کرے۔

فنا کے مراتب کا بیان

"یعنی وجودِ سالک بالکل فنا ہو جاتا ہے۔ حضرت بایزید بسطامیؒ اسی مقام پر فرماتے ہیں کہ میں جب تک غائب تھا، اسے ڈھونڈتا تھا اور اپنے کو پاتا تھا۔ اس وقت تیس سال سے جب میں اپنی تلاش کرتا ہوں، تو خدا کو پاتا ہوں۔ اس مرتبہ کی تجلّی اگر سالک پہ ایک بار بھی پڑ جائے تو ولی کامل ہو جائے۔ مگر یہ مرتبہ بہت کم ظاہر ہوتا ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک ایک ہفتہ میں دو لمحہ یا ایک دن میں ایک دو لمحہ ظاہر ہوتا ہے۔ یا دو تین دن کم زیادہ۔ اور یہ عارف کی حالت پر مبنی ہے جیسی حالت ہوگی ویسی ہی فنائیت ہوگی۔ ہر شخص اس کو نہیں سمجھ سکتا۔ ذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ۔ جب سالک کو خدا اس مرتبۂ فنا سے بقا دینا چاہتا ہے تو اپنے نور سے باقی رکھتا ہے اس مرتبہ کو جمع الجمع کہتے ہیں۔ اور یہ مقام بڑی حیرت کا ہے۔ اور اسے آخری مقام کہتے ہیں۔" (ضیاء القلوب)

فائدہ بقا باللہ رجوع الی البدایت کا نام ہے۔ یعنی بدایت میں مبتدی کی نظر مظاہر پر سطحی پڑتی ہے۔ اور یہ مقام بہت بڑی غلطی کا باعث ہوتا ہے۔ اور اپنی نخودی اور تعینات کے فنا ہو جانے کے بعد پھر تعینات کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اور اس وقت سب سے

لے ضیاء القلوب، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، کتب خانہ اشرفیہ، راشد کمپنی دیوبند۔

پہلے ذات مطلق پر نظر پڑتی ہے ؎

اس کے بعد ذاتِ مطلق کے نور سے تعینات مظاہر کو دیکھتا ہے۔ اگرچہ تعیّن کے اعتبار سے دونوں مرتبے ایک ہی ہیں لیکن فرق ظاہر ہے۔ تو عارف ہر حالت اور ہر وقت میں خدا کے وجود کا تصوّر کرتا ہے۔ اور کوئی چیز اس کو خدا کے دیکھنے سے اور خدا کا دیکھنا دوسری چیزوں میں دیکھنے سے نہیں روکتا ہے۔ کیونکہ عارف حقیقت انسانی تک (جو کہ الوہیّت ہے) پہنچ گیا۔ جس طرح الوہیت کے واسطے وجوب و امکان برابر ہیں، اسی طرح عارف کے لیے حق و خلقت حق سے کوئی حاجب نہیں وَمَا رَأَیْتُ شَیْئًا اِلَّا رَأَیْتُ اللّٰہَ فِیْہِ۔ اور اس کو خلق معدومِ محض اور خدا موجودِ مطلق معلوم ہوتا ہے اور خدا کے علم کے ذریعے سے اپنے کو مطلق قید میں آیا ہوا تصوّر کرتا ہے۔ اور قیود کی وجہ سے اپنے کو بندہ سمجھتا ہے اور کہہ اٹھتا ہے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ اس مرتبہ پر خدا کا خلیفہ ہو کر لوگوں کو اس تک پہنچاتا ہے۔ اور ظاہر میں بندہ اور باطن میں خدا ہو جاتا ہے۔ اس مقام کو برزخ البرزخ کہتے ہیں۔ اور اس میں وجوب و امکان مساوی ہیں۔ کسی کو کسی پر غلبہ نہیں۔ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیَانِ بَیْنَھُمَا بَرْزَخٌ لَّا یَبْغِیَانِ اس مرتبہ پر پہنچ کر عارف عالم پر متصرف ہو جاتا ہے اور سَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ کا انکشاف ہوتا ہے۔ اور ذی اختیار ہو جاتا ہے اور خدا کی جس تجلی کو چاہتا ہے اپنے اوپر کرتا ہے۔ اور جس صفت کے ساتھ چاہتا ہے متصف ہو کر اس کا اثر ظاہر کر سکتا ہے۔ چونکہ اس میں خدا کے اوصاف پائے جاتے ہیں۔ اور خدا کے اخلاق سے وہ مزیّن ہے اور اس نے جمال اَسْبَغَ عَلَیْکُمْ نِعَمَہٗ ظَاھِرَۃً وَّبَاطِنَۃً کو دیکھا ہے۔ اور نورٌ علیٰ نور ہو گیا۔ اس وجہ سے حال اس کے تابع ہو گیا ہے۔[1]

اس کو طریقت میں فنا اور بقا بولا جاتا ہے۔ یہی معرفت ہے، اسرار ہے۔ حضرت حاجی صاحبؒ مراقبۂ فناہ کی حالت میں فرماتے ہیں کہ انسان یعنی آدم خدا کا خلیفہ ہو کر ظاہر میں بندہ اور باطن میں خدا ہو جاتا ہے۔ اور اس میں وجوب و امکان مساوی ہیں۔ کسی کو کسی پر غلبہ نہیں۔ یہ اللہ والے لوگوں کی منزلیں ہیں۔ ہم جیسے دنیا دار لوگ کیا سمجھیں۔

[1] ضیاء القلوب

ع جو ہیں کافرِ عشق کے ان کا مندر اور ہے   نرالی انکی پوجا ہے اور ان کا ٹھاکر اور ہے

اس مسئلہ کے کئی نام ہیں۔ اس کو وحدت مطلق بھی بولا جاتا ہے۔ کل اور جزو بھی بولا جاتا ہے۔ ہمہ اوست اور ہمہ از اوست بھی کہتے ہیں، وحدت وجودی اور وحدت شہودی میں اختلاف ہے۔ اور یہی بات کتاب میں شروع ہے جو لکھ رہا ہوں۔ ان کامل اکمل لوگوں کے دلوں میں جزوی عقل کے بعد ایک شعور پیدا ہوتا ہے۔ جو کثرت میں وحدت اور وحدت میں کثرت دیکھتا ہے۔ وہ نسبتی اور جذبے والا ہوتا ہے۔ اس کا اطلاق بدل جاتا ہے۔ خدا کی محبت اضطراری ہو جاتی ہے چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے خدا کو یاد کرتے ہیں۔ پھر بھی اپنے آپ کو بدکار اور گنہگار سمجھتے ہیں۔ وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ، ملامت کا بوجھ اٹھاتے ہیں محض اللہ کے لئے، کرامت نہیں چاہتے اپنے نفس کے لئے۔ وہ ہر وقت حق کی حفاظت میں لگے رہتے ہیں۔

حضرت حاجی صاحبؒ پر ایک آدمی سوال کرتا ہے کہ ضیاء القلوب میں جو مسئلہ وحدۃ الوجود بیان کیا ہے۔ آپ اس کا جواب بیان فرما دیں، سوال اور حاجی صاحبؒ کا جواب ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

سوال "اوّل مولوی محمد قاسمؒ معتقدانِ وحدۃ الوجود و وحدۃ الموجود کو ملحد و زندیق کہتے ہیں۔ اور ان کے مرید شاگرد مولوی احمد حسن صاحب کا بھی یہی مقولہ ہے۔ اور اقوال ضیاء القلوب کو محتاجِ تاویل جانتے ہیں۔ اور ان تاویلوں کا واقف اپنے سوا دوسرے کو نہیں مانتے۔ مولوی رشید احمد اور مولوی محمد یعقوب صاحبؒ اس مسلک پر ہیں۔ باوجود اس کے کہ آپ سے اجازت بیعت کی حاصل ہے۔ مشربِ اہلحدیث کا رکھتے ہیں۔ خلاف مشائخ چشتیہ گفتگو کرتے ہیں!

حضرت کا جواب اوّل نکتہ ثنا سا مسئلہ وحدت الوجود حق و صحیح ہے۔ اس مسئلہ میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ فقیر و مشائخ فقیر اور جن لوگوں نے فقیر سے بیعت کی ہے۔ سب کا اعتقاد یہی ہے۔ مولوی محمد قاسم صاحب مرحوم و مولوی رشید احمد صاحب و مولوی محمد یعقوب صاحب، مولوی احمد حسن صاحب وغیرہم فقیر کے عزیز ہیں۔ اور فقیر سے تعلق رکھتے ہیں۔ کبھی خلاف اعتقادات فقیر و خلاف مشرب مشائخ طریق خود مسلک اختیار نہ کریں گے۔

کرنا۔ اعتقاد ایک کیفیتِ قلبی ہے کہ بندہ کو کمال علم ویقین وصدق سے کوئی بات دل پر مستحکم ہو جائے۔ اور اس کو عرفِ شرع میں تصدیق کہتے ہیں اور اقرار باللسان واسطے اجرائے احکام مسلمانی ضروری ہے۔ وگرنہ بنا بر ثبوت اسلام عند اللہ اقرار کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تصدیق قلبی کافی ہے۔ یہ مسئلہ وحدۃ الوجود ایسا نہیں ہے بلکہ اس میں تصدیق قلبی وتیقن اور زبان روکے رہنا واجب ہے۔ کیونکہ اسلام شرعی خدا وخلق سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اسلام حقیقی محض خدا سے تعلق رکھتا ہے۔ اس میں تصدیق مع اقرار ضروری ہے۔ اور اس میں فقط تصدیق چاہیے۔ سوائے اس کے اس مسئلہ کو چھپانے میں فائدہ یہ ہے کہ اسباب ثبوت اس مسئلہ کے بہت نازک اور نہایت دقیق ہیں۔ فہم عوام بلکہ فہم علمائے ظاہر جو کہ اصطلاح عرفا سے عاری ہیں۔ اس کے ادراک کی قوت نہیں رکھتا۔ اور علماء کا کیا ذکر ہے، بلکہ جن صوفیوں کا سلوک ابھی ناتمام ہے اور مقام نفس سے گزر کر مرتبہ قلب تک نہیں پہنچے۔ اس مسئلہ سے نقصان اٹھاتے ہیں۔ اور مکر نفس وتزلزل ولغزش سے چاہ ضلالت میں سرنگوں ہو کر گرتے ہیں۔ بلکہ اکثر گروہ کے گروہ گر گئے ہیں۔ کما شہدنا ھم نعوذ باللہ من ذالک۔

آپ بھی خوب جانتے ہیں کہ یہ مسئلہ خاصیت عجیب رکھتا ہے، ع

بعض را ہادی وبعض را مضل

ہر چند نعمت خوشگوار ہو، صحیح وتندرست کو اس سے لذت وحلاوت حاصل ہوتی ہے۔ اور مریضوں کو تلخ اور ناگوار لگتی ہے۔ بلکہ ان کے لئے زہر قاتل ہے۔ اسی واسطے فرمایا ہے، مَنْ صَرَّحَ بِأَسْرَارِ الرُّبُوبِيَّةِ فَقَدْ كَفَرَ چھپانا اس کا لازم ہے اور افشاء اس کا ناجائز ہے۔ اوّل شخص جس نے اس مسئلہ میں غوض فرمایا شیخ محی الدین ابن عربی ہیں قدس سرہٗ۔ ان کا اجتہاد اس مسئلہ میں اور اثبات مسئلہ کا براہین واضح سے جمیع موحدان کی گردن پر تا روز قیامت موجب احسان ہے لطف تو یہ ہے کہ شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی قدس اللہ سرہٗ ہم عصر وہموطن ان کے تھے۔ لوگوں نے حال شیخ اکبر کا ان سے پوچھا فرمایا فَهُوَ زِنْدِيقٌ آدمی ان کی صحبت سے احتراز کرتے تھے۔ جب انہوں نے وفات پائی، لوگوں نے شیخ الشیوخ سے ان کی آخرت کا حال دریافت کیا۔ ارشاد ہوا مَاتَ قُطْبُ الْوَقْتِ مَنْ

لکان ولی اللہ۔ تمام لوگ متعجب ہوئے۔ عرض کیا کہ کیوں ان کو زندیق کہہ کر ہم کو استفادے سے محروم رکھا جواب میں فرمایا کہ وہ دراصل سچے تھے۔ لیکن جذبہ قوی رکھتے تھے۔ ہر چند مقرب بارگاہ تھے مگر قابل اتباع نہ تھے۔ اخیر زمانے میں مجذوب ہو گئے تھے۔ اور زبان انکی افشائے اسرار میں بے اختیار ہو گئی تھی۔ اگر تم لوگ انکی صحبت میں رہتے تو گمراہ ہو جاتے۔ کیونکہ غلبہ حال سے ایسی باتیں کرتے تھے جو تمہاری سمجھ میں آنے کے قابل نہ تھیں۔ اور عوام کیلئے نقصان رساں تھیں۔ اگر خیال کرو تو میں نے تمہارے اوپر بڑا احسان کیا ہے۔ پس اس جگہ غور فرمانا چاہئے کہ ہم لوگوں کو کیا منصب ہے کہ ہر کس و ناکس بازاریوں سے مسئلہ وحدۃ الوجود و وحدۃ الموجود کا ذکر کریں۔ اور عوام کو جو کہ تھوڑا بہت ایمان تقلیدی رکھتے ہیں۔ اس ایمان سے بھی بے نصیب کریں۔ اس معاملہ میں گفتگو فضول ہے بلکہ اپنا وقت اور عوام کا اعتقاد ضائع کرنا ہے۔"[1]

دیکھو حضرت حاجی صاحب مہاجر مکی رح نے اس مسئلہ کو کس راز اور بھید میں واضح کیا ہے یہی سِرِّ وحدت ہے، وحدتِ مطلق کو سمجھنا کوئی آسان کام نہیں، یہ ایک قدرتی جذبہ ہے۔ جس انسان کو حاصل ہو جاتا ہے اسی کو نسبت بھی بولا جاتا ہے۔ توحید وجودی دو قسم ہے۔ ایک مذموم ہے دوسری حمیدہ۔ درویش لوگ حمیدہ کے قائل ہیں نہ کہ مذموم کے۔ مذموم توحید سے حضرت مجددؒ صاحبؒ نے سختی سے منع فرمایا ہے۔ جو لوگ چکنی چپڑی باتوں میں پھنسا لیتے ہیں، ان سے بچے رہئے۔ شریعت و طریقت ایک ہی چیز ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور کلمہ سوائے طریقت کے نہیں ہے یہ ایک روحانی بات ہے۔ جس کو حاصل ہے وہی جانتا ہے۔ عقل و علم سے بعید ہے۔ صرف خدا کا فضل ہے۔ جس پر ہو جائے۔

ھٰذا مِن فَضلِ رَبّی

انسان کی چار قسمیں ہیں

"ایک ایسے لوگ ہیں جو شریعت میں توحید کو چھپاتے ہیں اور ایسے بھی ہیں جو توحید مطلق کو ننگا کر دیتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو قلندر بولے جاتے ہیں۔ یہ زندیق ہو کر ملامت کا بار اٹھاتے ہیں۔ اور تیسری

[1] شمائم امدادیہ، حاجی امداد اللہ مکی رح

قسم کے وہ لوگ ہیں جو صرف کرامت چاہتے ہیں، ملامت نہیں چاہتے۔ اور حضرت پیران پیر سید عبدالقادر جیلانی رح نے اپنی کتاب فتوح البیان میں انسانوں کی چار قسمیں لکھی ہیں۔

پہلا وہ شخص ہے جس کی نہ کوئی زبان ہے نہ دل، اور وہ عام آدمی ہے، بے علم و بے عمل، ناتجربہ کار اور کند ذہن ہے۔ وہ نہ تو دنیا کا کچھ سنوار سکتا ہے نہ آخرت کا۔ وہ شخص کمینہ اور رذی ہے اور خدا تعالے اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں پاتا اور ظاہری و باطنی کوئی بھلائی اس میں نہیں ہوتی۔ وہ اور اس جیسے تمام گندم و جو کی بھوسی ہیں جو کسی کام کی نہیں۔ ان کا کوئی وزن و اعتبار نہیں ہوتا، مگر یہ کہ اللہ تعالے انہیں اپنی رحمت میں گھیرے اور اپنے اوپر ایمان لانے کے لئے ان کے دلوں کی رہنمائی کرے اور ان کے اعضا اور جوارح کو اپنی فرمانبرداری میں متحرک کر دے پس ایسے آدمیوں میں شمار ہونے سے بچ جا۔

دوسرا وہ شخص ہے جس کی صرف زبان ہے دل نہیں پس وہ حکمت و دانائی کی باتیں کرتا ہے اور وعظ و نصیحت کرتا ہے اور خود اس سے دور بھاگتا ہے۔ دوسروں کے عیوب کو برا سمجھتا ہے اور خود اپنی ذات میں ویسے عیوب پر قائم رہتا ہے۔ لوگوں کے لئے پرہیزگاری اور عبادت کا اظہار کرتا ہے۔ اور خود کبیرہ گناہوں کی وجہ سے اللہ کے ساتھ مقابلہ اور جنگ پر تلا رہتا ہے۔ جب خلوت میں ہوتا ہے تو گویا کپڑوں میں چھپا ہوا بھیڑیا ہے۔ اور وہ ایسا شخص ہے جس سے نبی اکرمؐ کو ڈرایا گیا ہے۔ آنحضرتؐ فرماتے ہیں اپنی امت پر سب سے زیادہ خوفناک چیز جس سے میں ڈرتا ہوں، علمائے سوء ہیں جو نیک و بد میں تمیز کرنے کے باوجود بداعمالیاں کرتے ہیں۔ ہم اس سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں پس تو اس سے دور رہ اور اس کے پاس سے جلدی گزر جا تاکہ اپنی چرب زبانی سے وہ تجھے اچک نہ لے۔ ورنہ تجھے اس کے گناہوں کی آگ جلا دیگی اور اس کے دل اور باطن کی بدبو تجھے ہلاک کر دیگی۔

تیسرا وہ شخص ہے جس کا دل ہے اور زبان نہیں، وہ ایسا مومن ہے جسے اللہ تعالے نے اپنی خلقت سے چھپا رکھا ہے۔ اور اس پر اپنی پناہ و حفاظت کا پردہ لٹکا دیا ہے۔ اور اس کو اپنے ذاتی عیوب پر بصیرت عطا کر دی ہے۔ اور اس کے دل کو روشن کر دیا ہے۔ اور اسے لوگوں کی صحبت کی خرابیاں نحوستیں اور کلام و گفتگو کی بدبختی پر واقف کر دیا ہے۔ اور اسے یقین ہو چکا ہے کہ خلقت سے کنارہ کشی اور گوشہ نشینی

ہیں ہی سلامتی اور خیر ہے۔ جیسا کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا ہے۔ بیشک عبادت کے دس حصے ہیں۔ ان میں سے نو حصے خاموشی میں ہیں۔ پس یہ شخص اللہ تعالےٰ کا دوست ہے اور اللہ تعالےٰ کے بھید میں ہے۔ وہ ہر بلا و مصیبت سے محفوظ، سلامتی والا، پورا عقل مند اور خدا تعالیٰ کا ہم صحبت ہے۔ اس پر خدا تعالےٰ کا بیحد انعام ہوا ہے۔ پس تمام تنہائی و بھبود اس کے پاس موجود ہے۔ پس تو اس کی صحبت، ہم نشینی اور اس کی روش اختیار کر، اور اس کی ان ضروریات کو پورا کرتا جو اس کو پیش آئیں اور اسے وہ نفع پہنچانا جس سے اس کو فائدہ ہو، اپنے لئے ضروری جان۔ پھر اللہ تعالےٰ تجھے دوست بنالے گا۔ اور تجھے برگزیدہ کرے گا اور اس بندہ کی برکت سے تجھے اپنے دوستوں اور نیک بندوں کے گروہ میں انشاء اللہ شامل کریگا ؎

خموشی گفتگو اور بے زبانی ہے زباں میری

چوتھا وہ شخص ہے جس کے دل و زبان دونوں موجود ہیں۔ جس کو عالم ملکوت میں عظمت و بزرگی کے ساتھ بلایا گیا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ جس نے علم سیکھا اور اس پر عمل کیا۔ اور دوسروں کو سکھایا، اسے عالم ملکوت میں عظیم کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ وہ اللہ تعالےٰ اور اس کی آیات جاننے والا ہے۔ اس کے دل کو اس کے علم کے عجائبات کا امانت دار بنایا گیا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ نے اسے ان بھیدوں پر اطلاع دیدی ہے جو دوسروں سے چھپا رکھے ہیں۔ اور اسے چن لیا اور برگزیدہ کر لیا ہے۔ اور اسے اپنی طرف کھینچ لیا ہے۔ اور اس کی رہنمائی کی ہے اور اسے اپنی بارگاہ کی طرف بلند کر لیا ہے۔ اور ان علموں اور بھیدوں کے قبول کرنے کے لئے اس کا سینہ کھول دیا ہے۔ اور اسے خدا نے بڑا عقل مند، نیکی رکھنے والا۔ بندوں کو نیکی کی طرف بلانیوالا اور ان کو عذاب سے ڈرانے والا اور ان کے درمیان دلیل و نشان، رہنما، ہدایت یافتہ سفارشی، سفارش قبول کیا ہوا، سچ بولنے والا، سچا سمجھا ہوا۔ اپنے رسولوں اور نبیوں علیہم صَلَوَاتُہٗ وَتَحِیَّاتُہٗ وَبَرَکَاتُہٗ کا خلیفہ اور جانشین بنا دیا ہے۔ پس یہ شخص آدم کی اولاد میں سے آخری اور انتہائی مرتبہ پر فائز ہے کہ اس مرتبہ سے اوپر نبوّت کے سوا کوئی مرتبہ نہیں۔

پس اے مومن! تجھ پر لازم ہے کہ اس کی صحبت اختیار کر اور اس کی مخالفت سے اور

اس سے نفرت کرنے اور علیحدہ رہنے سے اور اس کے ساتھ دشمنی کرنے سے ڈر اور پرہیز کر، اور اس بات سے بھی بچ جا کہ اس سے کسی بات کے قبول کرنے کو تو چھوڑ دے اور اس کی بات اور نصیحت کی طرف تو رجوع نہ کرے۔ کیونکہ سلامتی اسی بات میں ہے جو وہ کہتا ہے۔ اور سلامتی اسی کے پاس ہے اور تباہی و گمراہی دوسروں کے پاس، مگر جسے اللہ تعالیٰ توفیق عطا کرے۔ اور رحمت و درستی کے ساتھ جس کی مدد کرے ۔

پس میں نے تیرے لئے لوگوں کو چار قسموں میں تقسیم کر دیا ہے۔ پس اگر تو دیکھنے والا ہے تو اپنے نفس پر نگاہ رکھ۔ اگر تو اپنے نفس کی نگہداشت کرنیوالا ہے تو اس کی حفاظت کر اور نفس پر مہربان ہو جا اللہ تعالیٰ ہمیں اور تجھے اس بات کی ہدایت کرے جسے وہ دنیا و آخرت میں پسند کرتا ہے اور دوست رکھتا ہے۔ آمین ۔

" (رموز الغیب، حضرت عبدالقادر جیلانیؒ)

سر مو تفاوت نہ سمجھوں ۔ اے خیال عین وصال ہے

جناب حضرت پیران پیر صاحبؒ نے انسانوں کے چار درجے بیان کئے ہیں۔ جو پہلے دو درجے ہیں وہ شرکی معلوم ہوتے ہیں اور دو بعد والے توحیدی۔ وہ لوگ بڑے موحد ہیں جنکی تعریف پیر صاحب نے فرمادی ہے انکی صفت خدا بھی کرتا ہے۔ اور جو پہلے دو درجہ کے انسان بیان ہوئے ہیں انکے دل میں مرض ہے۔ فی قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ، جب تک دل اس مرض میں گرفتار ہے، دل بیمار ہے۔ اس دوئی کے مرض میں انسان کی نجات نہیں ہوتی کیونکہ جو کچھ کرتا ہے، اپنے نفس کی خاطر کرتا ہے، صرف غرض نفسانی کا بندہ ہے، جتنی عبادت کرتا ہے اپنے فائدہ کیلئے۔ اسکی اپنی آرزو ختم نہیں ہوتی۔ ہر وقت خدا کا شکوہ کرتا ہے کہ میرا یہ کر، میرا وہ کر میرا یہ کیوں نہیں کیا۔ یہی انسان کا اپنا حصہ ہے، خدا اپنی مرضی سے سب کچھ کرتا ہے۔ اور بندہ جو خدا سے جاہل ہے وہ اپنی طلب کرتا ہے۔ یہی دوئی کا مرض ہے۔ یہی شرک ہے، خواہش نفسانی ہے۔ جو نفس کی خواہش کو نہیں روکتا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ اللہ تعالےٰ کا فرمان ہے۔ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ یعنی نفس کو خواہشات سے روکنے والے کا ٹھکانہ جنت ہے۔ اللہ صاحب فرماتے ہیں، میرا نبی حضرت محمد الرسول اللہ صلعم اپنی حرص و ہوا سے نہیں بولتا۔ یہ تو میرے حکم سے کلام کرتا ہے۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ تو معلوم ہوا کہ انسان اپنے نفس کی خواہش سے کلام کرتا ہے۔ یہ انسان ہے۔

کے دل میں مرض ہے دل کے اس مرض کا بیان حضرت مجدد صاحبؒ نے ایک مرید کو مکتوب میں لکھا ہے۔
"اس بیان میں کہ مریض جب تک بیماری سے تندرست نہ ہو جائے کوئی غذا اس کو فائدہ نہیں پہنچاتی اور اس کے مناسب بیان میں حکیم عبدالقادر کی طرف لکھا ہے:۔
جب حکماء نے لکھا ہے کہ مریض جب تک بیماریوں سے تندرست نہ ہو جائے کوئی غذا اس کو فائدہ نہیں دیتی، اگرچہ مرغ بریاں ہو۔ بلکہ غذا اس صورت میں مرض کو بڑھا دیتی ہے ؎

ہرچہ گیرد علتی علت شود (ترجمہ) علتی جو کچھ کرے علت ہی ہے۔

پس پہلے اس مرض کو دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں، بعد ازاں مناسب غذاؤں کے ساتھ آہستہ آہستہ اس کو اصلی قوت کی طرف لاتے ہیں۔ پس آدمی جب تک مرض قلبی میں مبتلا ہے فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ تو کوئی عبادت و طاعت اس کو فائدہ نہیں دیتی بلکہ اس کے لئے مضر ہے۔ رُبَّ تَالٍ لِلْقُرْآنِ وَالْقُرْآنُ يَلْعَنُهُ (ترجمہ) بعض لوگ قرآن اس طرح پڑھتے ہیں کہ قرآن ان پر لعنت کرتا ہے۔ حدیث مشہور ہے۔ رُبَّ صَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ صِيَامِهِ إِلَّا الْجُوْعُ وَالظَّمَاءُ (ترجمہ) بعض روزہ دار ایسے ہیں کہ سوائے بھوک اور پیاس کے انہیں کچھ نصیب نہیں ہوتا۔ خبر صحیح ہے دلی امراض کا علاج کرنے والے یعنی مشائخ بھی اول مرض دور کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ اور اس مرض سے مراد ماسوائے حق کی گرفتاری ہے۔ بلکہ اپنے نفس کی گرفتاری ہے۔ کیونکہ ہر ایک شخص جو کچھ کرتا ہے اپنے نفس کے لئے چاہتا ہے اگر فرزند کو دوست رکھتا ہے تو اپنے لئے، اور اگر مال و ریاست و حب و جاہ ہے تو اپنے لئے پس درحقیقت اس کا معبود اس کی اپنی نفسانی خواہش ہے۔ پس جب تک نفس اس قید سے خلاص نہ ہو جائے تب تک نجات کی امید مشکل ہے۔ پس دانشمند علماء اور صاحب بصیرت حکماء پر اس مرض کے دور کرنے کی فکر لازم ہے۔ ؎

در خانہ اگر کس است یک حرف بس است (ترجمہ) اگر سننے کوئی میری تو بس ایک حرف کافی ہے۔

جناب حضرت مجددؒ نے کیا خوب فرمایا ہے۔ اس مختصر مکتوب میں کہ جس دل میں دوئی کا مرض ہے اس کی کوئی عبادت قبول نہیں کیونکہ وہ شخص مشرک ہے قرآن مجید اور حدیث شریف پڑھنے کے باوجود قرآن و حدیث نہیں سنتا۔ قرآن مجید اس وقت سنا آتا ہے جس وقت خدا کا

---

۱ مکتوب مجددی صفحہ نمبر ۱۰۵

ہم صحبت ہو جاتا ہے۔ خدا سے سنتا ہے خدا کو سناتا ہے۔ غیریت سب مٹ جاتی ہے۔ انانیت گم جاتی ہے۔ نماز روزہ وظیفہ بھی پھر ہی قبول ہوتا ہے۔ سب برائی کے کام یا مرکز بدعہد الو یعبد امور، انکار، اسی دل کے مرض کا فساد ہے۔ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ جس نے ہر انسان کو اس مرض میں گرفتار کیا ہوا ہے۔ انسان کا تکیہ اپنی ہستی اپنی انا اور میں ان سب کو دوئی کہتے ہیں۔ اشعار حضرت بابا شاہ صاحب؎

دوئی دور کرو کچھ ہور نہیں ۔ سب سانجھ وسن کوئی چور نہیں
عبداللہ شاہ شوہ سا تقو وکھ نہیں ۔ بن شوہ منتیں دوجا لکھ نہیں
پر دیکھن والی اکھ نہیں
تاہیوں جان پئی دکھ سہندی ہے ۔ منہ آئی بات نہ رہندی ہے

اس مرض میں خوف اور غم ہے۔ یہ مرض چلا جاتا ہے تو وہ شخص لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ کے مصداق ہو جاتا ہے۔ ماسوا اللہ اور کچھ نہیں۔ اوّل آخر ظاہر باطن وہی ذات خدا ہے سب تعریف اللہ کے لئے ہے۔ اللہ ہر چیز پر محیط ہے۔ وہی ہر چیز پر قادر مطلق ہے سب حرکات و سکنات اسی ذات واحد کی ہے۔

توحید و تقلید کا مطلب

تقلید ابتدائی درجہ میں ضروری امر ہے۔ کیونکہ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ اور قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ (ساری آیت) اس تقلید کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ جس طرح دودھ پینے بچے کی پرورش کا سوائے ماں کے دودھ کے اور کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ مگر دو سال کے بعد دودھ چھوٹ جاتا ہے۔ کیونکہ بچہ روٹی کھانے لگ جاتا ہے۔ پھر وہ ماں دودھ نہیں پلا سکتی۔ کیونکہ گو انسان کا گوشت حلال ہے مگر کھانا عوام کیلئے حرام ہے۔ پھر دودھ بھی حرام ٹھہرا۔ مگر چونکہ پرورش کا اور کوئی چارہ نہ تھا لہٰذا بچے کے لئے حلال ہوا۔ اسی طرح جب تک انسان کو خدا کی تحقیق نہیں ہوتی تب تک یہ تقلید ضرور کرے۔ یہ بھی اللہ کا حکم ہے۔ فرمایا۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

یعنی اے (تقلیدی) ایمان والو تحقیقی ایمان لاؤ۔ پہلے ہر شے کا غیب کے ساتھ ایمان ہے جو صرف زبان کا تقلیدی اقرار ہے، تصدیق قلب نہیں۔ جیسا کہ سورۃ حجرات میں خدا کا فرمان ہے۔ کہ اے بدوی لوگو! تم اسلام میں تو داخل ہو گئے مگر ابھی تم ایمان نہیں لائے۔ تقلیدی عقیدہ اندھا بولا جاتا ہے۔ مگر یہ مسئلہ سمجھنا مشکل ہے۔ کیونکہ آغاز کتاب سے یہی مسئلہ چلا ہے۔ اور ابھی وہی لکھا جا رہا ہے۔ ختم نہیں ہوا۔ کثرت اور وحدت زبان سے سمجھ نہیں آتی۔ یہ وجدانی اور حالی بات ہے۔ یہ وحدت میں کثرت اور کثرت میں وحدت ہے۔ یہ پیچ در پیچ باتیں ہیں۔ ابتدائی درجہ میں تقلید خدا، رسولؐ اور اولی الامر کی ہے۔ جس کا مطلب مرشد کی تقلید، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تقلید ہے اور رسول اللہؐ کی تقلید خدا کی تقلید ہے۔ اس لیے مرشد اہل اللہ کی فرمانبرداری اور عشق شوق و ذوق کا اچھا عکس ہے۔ مگر وہ بھی اس قدر چاہیے کہ اس کی بدولت تم حق تعالےٰ سے مستفیض ہو جاؤ۔ شیخ صرف مشاطہؔ کا کام دیتا ہے۔ لیکن وصال کے بعد مشاطہؔ کا کوئی تعلق نہیں رہتا۔ مرشد کا عکس جو پہلے پہلے پڑتا ہے، اس کو تقلید سمجھو۔ جب پے در پے عکس پڑتا رہا اور مرید درجہ کمال کو پہنچ گیا۔ تو پھر تحقیق بن جاتی ہے۔ پھر تقلید کی ضرورت نہیں رہتی جب تک تحقیق کا درجہ حاصل نہ ہو، اپنے مرشد سے ترک استفاضہ نہ کرو۔ جب تک قطرہ سے موتی نہ بن جاؤ سیپ سے جدا نہ ہو ؎

مولوی ہرگز نشد مولائے رُومؒ   تا غلامِ شمس تبریزی نشد

(ترجمہ) مولانا رُومؒ تب تک مولوی نہیں ہوئے جب تک کہ شمس تبریزی کی غلامی نہ کی ؎

سب اصحاب رضی اللہ عنہم حضور پُرنور کے مرید ہیں۔ سب نے ان کی صحبت سے فیض پایا۔ تمام ولی اللہ اور غوث و قطب نے پیری مریدی سے استفادہ کیا ہے۔ بابا آدم علیہ السلام کا پہلا پیر خدا ہے وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا۔ خدا فرماتا ہے کہ آدم کو سب نام میں نے سکھائے ہیں۔ اس لیے آدمؑ کا پہلا پیر خدا ہے۔ ہر پیغمبر کا پیر خدا ہوتا ہے۔ اور انسانوں کا پیر بندہ۔ ہر بندہ بندہ سے ہی فیض لیتا ہے اس لیے پیری اور مریدی سنت نبیؐ ہے۔ حضور سرور کائناتؐ کے اوّل خلیفہ حضرت ابوبکر صدیقؓ۔ پھر حضرت عمرؓ۔ پھر عثمانؓ اور علیؓ ہیں۔ پھر یہ سلسلہ خلافت آج تک چل رہا ہے۔ کوئی موحد صاحب اسلام

اور اہلِ بصیرت ایسا نہیں جس کا مرشد و ہادی نہ ہو۔ پہلے فنا فی الشیخ، پھر فنا فی الرسولؐ اور بعد میں فنا فی اللہ ہوتا ہے۔ جو لوگ کامل، اکمل، ہادی اور رہنما ہوتے ہیں۔ انکی توحیدِ مطلق دیکھو کہ ان حضرات نے کیا خوب بیان کی ہے ؎

گفتگوئے مہاپُرش شناس متا

"جملہ علماء و حکماء پنڈت گیانی فرماتے ہیں کہ پہلے کچھ نہ تھا۔ ایک الکھ تھا۔ یعنی ذات لاتعین بے نام و بے نشان، تعینات حسّی سے منزّہ و مبّرا۔ اسی ذات سے یہ تمام اجسام ارضی و اجرام فلکی یعنی سپہ چاہپت اور ہرن گربھ اور ارواح و نفوس، قرآن و انجیل۔ بید و شاستر، مرشد، شاہ و گدا، امیر فقیر وغیرہ ظہور میں آئے اور جب کہ یہ سب موجودات اور کل کائنات فنا ہو جائے گی۔ تو بھی وہ جیسی تھی ایسی ہی قائم و برقرار رہے گی۔ تو اب تم غور کرو اور از روئے انصاف بتاؤ کہ جو کچھ آیا کہاں سے آیا اور گیا تو کہاں کو گیا۔ نہ کہیں سے آیا نہ کہیں گیا۔ نہ وجود غیر پہلے تھا۔ نہ اب ہے نہ آئندہ ہوگا ؎

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

لیکن باعتبار سنکلپ روپ ہے اور باعتبار نرسنکلپ اروپ اور بصورت جسم فانی ہے اور بہیئت روح باقی! نہ مرے نہ زندہ ہو۔ جب تک جسم کو آگیان یعنی جہل ہے جو آتما ہے۔ اور جب گیان ہوا اس کا نام پرم آتما یعنی ذات خدا ہے۔ اور جب جسم فنا ہوا تو علم، جہل اور تعلقات و محسوسات بھی سب جاتے رہے۔ اور الفاظ جسم و جان وغیرہ اور اضافات و اعتبارات مرتفع ہو گئے تو باقی وہی ایک ذات ہے جو پہلے تھی اور وہ ذات متحرک ہے۔ کہ ہر منزل و مقام میں پہنچی ہے نہ وہ بے حرکت ہے نہ کہیں سے آئی نہ جدا ہوئی۔ اور صاحب مکان ہے کیونکہ ہر مکان میں موجود ہے۔ اور لامکان ہے کیونکہ کسی مکان میں اس کی گنجائش نہیں۔ وہ بڑا گیانی یعنی صاحب علم ہے کہ ہر شئے کے جز و کل سے واقف ہے۔ مگر کچھ علم نہیں رکھتا۔ کیونکہ وہ عین علم ہے۔ سوائے اس کے کچھ نہیں۔ پس بے نام و نشان جہان

میں ہیں یعنی خدا، رسول، اولیاء، فرشتے، جن و انسان، بھوت و چڑیل، شیطان، ایشر، اوتار رشی، منی، مہیش، سرگ، نرگ، جنت، دوزخ، سب حضرت انسان کا وہم و خیال اور عقل وجودی کی گھڑنت ہے ؎

مالا ٹکا ٹھاکر پتھر تیرتھ ہیں سب پانی ۔۔۔ راما کرتنا سب مر گئے چاروں وید کہانی

نہ کوئی ساجد نہ مسجود، نہ عابد نہ معبود، نہ آدم نہ ابلیس، صرف ایک ذات قدیم صفات رنگا رنگ میں جلوہ گر ہے۔ نہ اس کی ابتدا نہ انتہا، نہ اس کو کسی نے دیکھا نہ سمجھا۔ نہ فہم و قیاس میں آ سکے، نہ وہم و گمان میں سما سکے۔ جیسا تھا ویسا ہی ہے اور جیسا ہے ویسا ہی رہے گا۔ نہ گھٹے گا نہ بڑھے گا۔ نہ اترے گا نہ چڑھے گا۔ لَمْ یَزَلْ وَلَا یَزَالْ واحد بے مثال، یگانہ و یکتا۔ وہ ایک ہے لیکن ایک بھی نہیں۔ کیونکہ اس کو موجودات سے اور موجودات کو اس سے بر تفک سمجھنا محض نادانی ہے۔ کون طالب، کس کی طلب اور کیسا مطلوب، دنیا میں طرح طرح کے کاروبار اور رنگا رنگ اشغال مروّج ہیں۔ ایسے ہی خدا جوئی اور خدا شناسی بھی ایک دھندا ہے۔ جس کا سر ہے نہ پاؤں، عنقا کا نام تو فاش ہے۔ اور اس کی ذات ظاہر نہیں ہے، غائب ہے۔ گمان و وہم کی انتہا ہے۔ خدا تعالیٰ کا اثبات کیونکر ہو۔ وہ گمان و وہم سے باہر ہے۔ لیکن انسان جس صنعت، جس ہنر، جس فن اور جس کرتب کا ابھیاس کرتا ہے۔ اس میں کچھ نہ کچھ مشق و مہارت حاصل کر لیتا ہے۔ اور ہزارہا نئی باتیں ایجاد کر کے عقل کو حیرت میں ڈالتا ہے۔ ایسے ہی لوگ طاعت و عبادت، تپسیا، تیاگ، محنت و مجاہدہ کرتے ہیں۔ آخر کار اس کا ثمرہ اور پھل پاتے ہیں۔ گونا گوں اوصاف و کمال ان کی ذات میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور یہ اپنی ہی قوتوں کا کھیل ہے کیونکہ انسان ایک جوہر لطیف ہے۔ جو چاہتا ہے بنا لیتا ہے۔ مثلاً کوئی سنیاس اپنے انتش کرن گیان اندری اور کرم اندری کو بموجب ہدایات شاستر کے کرم کانڈ میں تیاگی ہو کر کشٹ کر کے بالفرض صاحب کشف و کرامت بھی ہو جائے تو ذات نراکار میں کیا نفع و نقصان اور سود و زیاں ہووے گا۔ اور پہلے کیا تھا اور اب اس کو کیا مل گیا۔ جیسا تھا ویسا ہی رہا۔ جو ذات اس میں ہے وہی سب میں یکساں بلا فرق و امتیاز موجود ہے۔ البتہ ایک کرتب اس نے سیکھ لیا۔ اور جو ریاضت و عبادت کی تھی اس کا پھل پا لیا۔ پہلے کھلی آنکھ سے دیکھتا تھا اب آنکھیں بند کر کے دیکھ سکتا ہے۔ اور بغیر کانوں کے سن سکتا ہے۔ جہاں چاہے اڑ کے چلا جائے۔ مراد ہے

بھی اُٹھے۔ دریا پر چلے اور قدم تر نہ ہو، یہ سب کرتب ہیں۔ جو سیکھے اور سیکھنے کی قابلیت رکھتا ہو۔ ان باتوں میں کمال حاصل کر سکتا ہے۔ چنانچہ حکماء، اشراقیین کیسے کیسے کمال رکھتے تھے۔ ہم کو حیرت ہے کہ ان اوصاف کے حصول کو خدا کا حصول اور ان کرتبوں کے جاننے کا نام خدا شناسی کیوں رکھ لیا ؎

اک کھیل ہے اورنگِ سلیمانؑ مرے نزدیک   اک بات ہے اعجاز مسیحا مرے آگے

جو پہچانا وہ خدا نہیں اور جو خدا ہے وہ پہچان میں نہیں آسکتا۔ پھر یہ اوصاف ہوئے تو کیا اور نہ ہوئے تو کیا۔ جس میں جس کام کی قابلیت رکھی گئی وہ اس کو ایسا ہی کر سکتا ہے۔ جیسا کہ دوسروں نے کیا وہ سرب بیاپک نفی کرنے سے نفی نہیں ہوتا۔ نہ اثبات سے ثابت، نہ اطاعت سے خوش نہ گناہ سے ناراض نہ شاغل سے مہربان نہ غافل سے بیزار، نہ عارف سے قریب نہ جاہل سے بعید، نہ یہ مومن کا دوست نہ کافر کا دشمن نہ اس کو ہند سے تعلق نہ عرب سے واسطہ، نہ ہردوار سے نفور نہ مکہ سے دور، کسی نے اللہ اللہ کہہ کر دل خوش کیا۔ کوئی آدم جپ کر مگن ہوا۔ کسی نے دل میں اس کا دھیان جمایا، کسی نے اینٹ پتھر کو سر جھکایا۔ یہ سب اسی کے نام اور اسی کے کام ہیں۔ نہ گن کھویا، سرگن ذات کھویا، صفات ہادی کھویا۔ "منقل وہی ایک ذات ہے، دوسرا کہاں سے آیا۔ چنانچہ مولانا رومؒ فرماتے ہیں :-

(ترجمہ) بحر زخار تو ایک ہی ہے۔ اس میں دوئی اور جوڑا نہیں۔ یہ گوہر اور مچھلی وغیرہ موج کے سوا غیر نہیں ہیں۔ اے وہ مشکل ہے اور اے اس کا شرک و شراکت بھی مشکل۔ اس دریا اور موج پاک سے دور ہے۔ کیونکہ وہ دریائے ناپیدا کنار ہے۔ اور اس بحر عظیم میں شرک کے پیچ و خم نہیں ہیں۔ لیکن دو بین بھینگے سے کیا کچھ کہوں، کچھ نہیں کچھ نہیں"

مگر توحید کے اس اجاڑ سنسان میدان میں ٹھہرنے والا تو لاکھوں میں ایک ہوتا ہے۔ اس لئے عوام الناس کی استعداد و لیاقت کے موافق ملت و مذہب، شرع و شاستر سے آداب و اخلاق، اطاعت و عبادت اور بھلے برے کی تمیز قائم ہوئی۔ کوئی قوم، ٹھاکر، دیوتا، دیوی وغیرہ کی مورتی گھڑ کر اور استھان بنا کر انکی پوجا اور استھاپنا کرتی ہے۔ کوئی قوم ایک خیالی خدا اپنے دل میں بنا کر اس کے سامنے ہاتھ باندھ کر رکوع و سجود بجا لاتی ہے۔ ان کا جامد بت ان کے سامنے رکھا ہے۔ ان کا خیالی بت ان کے دل میں موجود

ہے۔ غرض سب عقل جزوی کے پاکھنڈ ہیں۔ عقل کی راہ سوائے پیچ و خم کے کچھ نہیں ہے۔ لیکن عارفان الٰہی کے پاس سوائے خدا کے اور کچھ نہیں ہے۔

جتنے اوتار، پیغمبر، ہادی، ورہنما گزرے اور صاحب ملت و مذہب ہوئے۔ ان کی تعلیم ظاہری عام کی عقل و خیال کے مطابق تھی۔ اور تعلیم باطنی خاص آدمیوں کے واسطے تھی۔ جس کو جیسا پایا ویسا ہی اس کو سمجھایا۔ باشسشٹ جی نے رامچندر کو، اشٹا بکر نے راجہ جنک کو، اور راجہ جنک نے بید ابیاس کے پتر سکھ دیو جی کو، سری کرشن جی نے راجہ ارجن کو، رسول عربی حضرت محمدؐ نے حضرت علیؓ اور دیگر اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ کو خاص تعلیم کی کیونکہ وہ لوگ مہاپرش تھے۔ جیسی ان کی سمجھ تھی۔ ویسا علم ان کو دیا گیا۔ عوام اسکے متحمل نہیں ہو سکتے جو مہاپرش گیانی ہو گیا۔ اسکے نزدیک ہر کام، ہر فعل عبادت ہے۔ نہ کسی میں بھلائی نہ کسی میں برائی ؏

راز عارف می بود در ہر شئے۔ (ترجمہ) ہر شے میں عارف کے لئے راز ہوتا ہے۔

اس واسطے جو کرم دھرم طاعت و عبادت کے قاعدے عوام کیلئے مقرر ہوئے۔ خواص بھی اس میں شامل ہے۔ اس لئے کہ کسی بات میں ان کا حرج و نقصان نہیں ؎

گیان دھیان سب اُٹھ گیا سبھا بھی سب سُن
اونچ نیچ انتر نہیں نہیں پاپ نہیں پُن

نہ ان کو امید ثواب نہ خوف عذاب، نہ طمع بہشت، نہ ہیبت دوزخ، جو ہو رہا ہے سب درست و بجا ہے نہ اس کی ابتدا نہ اس کی انتہا۔ لوگ کہتے ہیں کہ ترا کار پرم آتما نے روز ازل میں نزول کیا، جس سے یہ سنسار پرپت ہوا۔ پہلے علم الٰہی میں تھا۔ اب ظہور پکڑا۔ ابد میں پھر عروج کرے گا۔ اس وقت تمام کائنات فنا ہو جائیگی۔ یہ بات عوام کی سمجھ کے موافق کہی گئی ہے، ذرا اس میں غور کرو، پرم آتما کا نزول کیا، اور عروج کیا۔ وہ بے حد و بے نہایت کدھر سے اترے اور کدھر چڑھے۔ صرف ایک اعتباری بات ہے بیان کرنے کیلئے ورنہ خدا کیلئے اتار چڑھاؤ ممکن نہیں۔ پھر ایک خدا مانا۔ اور ایک اس کا علم کا۔ علم میں سب سنسار۔ لیکن جب خدا کہا تو اس میں اس کا علم بھی موجود ہے۔ علم غیر خدا نہیں۔ علم میں سب کائنات ہے۔ تو جملہ کائنات غیر علم نہیں۔ پس خدا اور خدا کا علم اور جو علم کے اندر ہے۔ سب خدا ہی خدا ہے۔ نہ نزول ہے نہ کمال

CS CamScanner

نہ عروج ہے نہ زوال۔ پھر کائنات نے ظہور کیا تو کیسا کیا۔ آیا علم الٰہی سے نکل کر باہر ہو گئے۔ اب بھی تو اسی طرح یہ تمام موجودات و کائنات علم الٰہی میں موجود و برقرار رہے گا۔ جیسے کہ تھے۔ یہی خفا ہے اور یہی ظہور ہے۔ لیکن طرفہ تر ماجرا یہ ہے کہ خدا کی ذات علم اور علم میں سب کائنات اور انسان کی ذات میں انسان کا علم اور اس علم میں خدا مع اپنے جاہ و حشم کے موجود، وہ اس پر محیط یہ اس پر حاوی۔ وہ اس کے علم میں، یہ اس کے علم میں۔ اب کس کو محاط کہیں کس کو محیط۔ کس کو خدا سمجھیں کس کو بندہ۔ اس دھیان گیان میں دوئی سے چھٹکارا نہیں۔ ایک بندہ ایک خدا۔ خدا کے معنی بندہ اور بندہ کے معنی خدا۔ اس الٹ پھیر کا کیا ٹھکانا اس راہ میں تو نادانی ہے، علم نہیں ہے۔ تو علم کو چھوڑ دے تاکہ ایک سمجھے۔ جس کو سامرتھ ہے اتنا ہی کافی ہے کہ اگر در خانہ کس است حرف بس است۔

جو اسمرتھ اور مورکھ ہے سمجھ تمام ہیدانت، شاستر اور علم تصوف طوطا کہانی ہے۔ میرے کلام کے ارتھوں کا سسنشٹ اتم گیانی پرش سمجھیں گے۔ اور من میں پرسن ہوں گے۔ مورکھ اگیانی کیا جانے، مجھ کو اس سے کچھ پراپت نہ دوش۔ پس سب کو نمسکار کرتا ہوں۔

یہ گفتگو ہے رشی نیاسی مہا پرش کی۔ اور اسی قسم کا کلام موحدان بے قید اور مجذوبان آزاد کا ہوتا ہے۔ لیکن جناب قبلہ نے بارہا ارشاد فرمایا کہ ایسی باتیں طالبوں کے لئے زہر قاتل کا حکم رکھتی ہیں۔ پس جملہ طالبان حق اور سالکان طریق کو لازم ہے کہ اس قسم کے کلام موحدانہ سے بچیں اور استقلال و استحکام کے ساتھ قدم ثبات طلب و تلاش میں رکھیں اور حصول مقصود میں سرگرم اور ذوق و شوق الٰہی میں شب و روز مشغول و مصروف اور یاد و بود معشوق حقیقی میں مست و مستغرق رہیں۔ اس موقعہ پہ شنیاس متا کی باتیں مشتے نمونہ از خروارے لکھی گئی ہے۔ یہ کلام شمشیر بے نیام ہے۔ اور زہر ہلاہل کا جام۔ سن سنا کر اکثر گمراہ اور ملحد و بے باک ہو جاتے ہیں۔ نَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا
راہ راست اور صراط مستقیم صرف وہی ہے جو کلام الٰہی اور حدیث نبویؐ سے ثابت ہے۔

پس ہر کلام کو معیار کتاب و سنت پہ جانچ لینا چاہیے اور وہی کہنا اور یقین کرنا چاہیے جو بزرگان دین نے کہا ہے تاکہ عوام کے دل میں انکار و اصرار پیدا نہ ہو۔ چنانچہ حضرت مولانا رومؒ مثنوی کے دفتر ششم

میں فرماتے ہیں، چونکہ ہم دو دیکھنے والے بھینگے ہیں، اس وجہ سے ہم مشرکانہ دم بھرتے ہیں۔ وہ ایک ہے۔ اس طرف اس کا وصف وخیال ہے جو سوائے دوئی کے میدان قال میں نہیں۔ یا تو تو بھینگے کی طرح اس دوئی کو پی جا یعنی قبول کر یا اپنے منہ کو سی لے اور اب خاموشی اختیار کر، یا باری باری کبھی خاموشی اور کبھی کلام کر اور دو ہتھوں کی طرح نقارہ بجا۔ تجھ پر سلام ہو

یہ پنڈت کون ہے اور وید کیا ہے۔ یہ مولانا کے اندر بھید کیا ہے

رُباعی

نہ پنڈت ہے نہ مولانا ہے کوئی! نہ اپنا ہے نہ بیگانہ ہے کوئی
یہ سب ہیں نام بے نام و نشاں کے کہاں کے مولوی پنڈت کہاں کے[1]

حضرت مولانا روم فرماتے ہیں کہ چونکہ ہم دو دیکھنے والے بھینگے ہیں۔ اس وجہ سے ہم مشرکانہ دم بھرتے ہیں۔ آنکھ کے بھینگے کو ایک چیز دو عدد نظر آتی ہے۔ اس کو آسمان پر ایک چاند کی بجائے دو نظر آتے ہیں۔ اسی طرح ہر بشر کے دل میں دوئی کا مرض ہے جب تک اس مرض میں گرفتار ہے اپنی عزت اور جاہ و مرتبہ دیکھتا ہے اسی شرک میں عمر گذر رہی ہے یہی سیدھا راستہ سمجھ لیا ہے۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ بے سمجھے عبادت کرنیوالا خراس کے گدھے کی مانند ہے یعنی جیسے خراس کا گدھا باوجود چلتے رہنے کے وہیں کا وہیں رہتا ہے۔ ایسے ہی بے سمجھے عبادت کرنیوالا غیر عابد کے حکم میں ہے۔ سلطان العارفین فرماتے ہیں ؎

ب باہجھ حضوری نہیں منظوری توڑے پڑھے بانگ صلاتاں ہُو!
روزے نفل نماز گذارن توڑے جاگن ساریاں راتاں ہُو!
باہجوں قلب حضور نہ ہووں توڑے کڈھن سے زکاتاں ہُو!
باہُو باہجھ فنا رب حاصل ناہیں ناں تاثیر جماتاں ہُو!

حکایت

ایک روز ایک طالب علم کی استدعا کے جواب میں ارشاد ہوا کہ ایک رنگریز تھا۔ جب کوئی شخص اس کے پاس کپڑا رنگنے کے واسطے لاتا اور کہتا کہ فلاں قسم کا رنگ مطلوب ہے۔ تو وہ کہتا کہ میاں صاحب! یوں تو ہر قسم کا رنگ مجھ کو رنگنا آتا ہے۔ لیکن میرے نزدیک تو سیاہ ہی بہتر ہے سب سے

[1] تذکرہ غوثیہ

بہتر ہے۔ پس اگر ہم سے پوچھو تو توحید کے سامنے سب مدارج و مراتب ہیچ ہیں۔ لیکن یہ ایسی بات نہیں کہ تم کو زبانی تبلا دیں۔ نہ اس کی کوئی کتاب کر سبق پڑھائیں۔ کیونکہ یہ امر حال و وجدان ہے۔ نہ کہ قال و بیان۔ عبارات و اشارات میں اس کی گنجائش نہیں۔ دیکھو اس تجربہ کو اگر کہا جائے کہ عین درگاہ قلندر صاحب ہے۔ تو یہ بھی غلط اور اس کا برعکس بھی غلط، اور دونوں صحیح بھی ہیں ؎

سمجھنے کی ہے بات کہنا نہیں"۔ (تذکرہ غوثیہ)

اللہ ہر چیز پہ قادرِ مطلق ہے۔ وہی سمیع، بصیر، علیم اور خبیر ہے۔ سب تعریف اس ذات واحد کی ہے۔ ہر حرکات و سکنات کا مالک وہی ہے۔ چنانچہ پیران پیر حضرت عبدالقادر جیلانی ؒ فرماتے ہیں:۔

"انسان کی ہمیشہ یہی عادت رہی ہے۔ کہ جب تک اسے اپنی ذات سے مدد حاصل ہوتی رہے کبھی خلقت کی طرف رجوع نہیں کرتا۔ اور جب تک خلقت سے مدد ملتی رہے کبھی خالق کی طرف رجوع نہیں کرتا۔ پھر جب خالق تعالیٰ کی طرف سے بھی مدد نہیں پاتا تو اس پروردگار کے سامنے درخواست، دعا، عاجزی اور مناجات کے ساتھ اس کی طرف خوف و امید رکھتا ہوا گر پڑتا ہے۔ پھر خالق جلّشانہٗ دُعا سے اس کو عاجز کر دیتا ہے۔ اور اس کی دعا قبول نہیں فرماتا۔ یہاں تک کہ بندہ پہ خدا تعالیٰ کی قضا و تقدیر و فرمان جاری ہوتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی تقدیر اس میں اپنا کام شروع کر دیتی ہے۔ اور تمام حرکات و اسباب سے فانی ہو کر صرف اس کی روح و روحانیت ہی باقی رہ جاتی ہے اور بندہ کی اپنی کوئی خواہش، کوئی طلب اور کوئی حاجت وغیرہ باقی نہیں رہتی۔ پھر بندہ خدا تعالیٰ کے فعل اور کام کے سوا کچھ نہیں دیکھتا۔ تو وہ ضرورتاً توحید پرست اور یقین رکھنے والا بن جاتا ہے۔ پھر بندہ قطعی فیصلہ کرتا ہے۔ کہ حقیقت میں خدا تعالیٰ کے سوا کوئی فاعل حقیقی نہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ہلانے اور ٹھہرانے والا نہیں۔ اور نیکی اور بدی اور نفع و نقصان دینا اور نہ دینا، کھولنا اور بند کرنا، زندگی و موت، عزت و ذلت، اور دولت مندی و فقیری خداوند قدوس کے قبضۂ قدرت کے سوا کسی کو بھی حاصل نہیں۔ پس اس وقت بندہ قضا و قدر کے ہاتھ میں اس طرح ہوتا ہے جس طرح دودھ پیتا بچہ دایہ کے ہاتھ میں یا مردہ غسل دینے والے کے ہاتھ میں یا گیند سوار کی چوگان کے سامنے، اور وہ گیند اپنا اختیار

نہ رکھنے کی وجہ سے ایک حالت سے دوسری حالت میں، ایک صفت سے دوسری صفت میں اور ایک فعل سے دوسرے فعل میں پھیرا جاتا ہے۔ اور اس کی اپنی ذات میں اور نہ کسی دوسرے کی ذات میں کوئی حرکت کوئی اختیار اور کوئی تدبیر نہیں ہوتی۔ پس وہ بندہ اپنے مولا اور اس کے فعل کے سوا نہ کچھ دیکھتا ہے نہ کچھ سنتا ہے اور نہ کچھ سمجھتا ہے۔ اگر دیکھتا ہے تو اس طور پر کہ یہ خدا تعالےٰ کا کام ہے۔ اور اگر سنتا اور جانتا ہے۔ تو خدا تعالیٰ کا کلام ہی سنتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کے علم سے ہی جانتا ہے"[1]

ایک ہی حقیقت ہے ہماری ہستی کا حقیقی علم، ظاہر اور باطن جو تمام حکمت کا نچوڑ ہے۔ حدیث ہے کہ ... تم اپنے آپ کو جانو گے تو خدا کو جان لو گے۔

یہ ذات ہی کا علم ہے جو خدا کے علم میں مل جاتا ہے۔

ع کچھ نہیں سب کچھ ہے یارو۔ اور سب کچھ کچھ نہیں

حضرت غوث علی شاہ قلندرؒ فرماتے ہیں کہ" ایک روز حکیم احتشام الدین کا خط آیا جس کا مضمون یہ تھا کہ میری طبیعت حسنات سے نفور اور سیئات کی طرف راغب ہے کچھ اس کا علاج فرمایا جاوے۔ اس پر ارشاد ہوا کہ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ ۝ کبھی دریائے شیریں جوش میں آ کر لہریں مارتا ہے کبھی دریائے شور کی طغیانی تلاطم برپا کرتی ہے۔ لیکن دونوں شانوں میں ظہور ایک ہی ذات پاک کا ہے۔ تُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ ۝ سیاہی سفیدی دونوں رنگ سرکاری ہیں

جب دہلی میں فوجی قواعد کا کیمپ مقرر ہوا تو نصف فوج کا نام باغی رکھا گیا اور نصف فوج کا نام سرکاری، اور دونوں کی باہم جنگ و پیکار ہوئی۔ باغی فوج غالب آئی۔ سرکاری فوج مصنوعی جنگ میں مغلوب ہو گئی۔ باغیوں کی فتح سرکار کی شکست ہوئی۔ لیکن درحقیقت ہر صورت میں سرکار ہی کی فتح تھی۔ کیونکہ باغی کیا اور سرکاری کیا۔ دونوں لشکر سرکار کے محکوم اور دونوں نوکروں کو سرکار ہی سے رسد و مدد پہنچتی تھی۔ دونوں کے حال پر سرکاری الطاف و عنایت برابر تھی۔ نہ باغی گروہ کے واسطے کچھ کمی تھی نہ سرکاری فریق کے لئے کچھ زیادتی۔ ہر دو جانب یکساں معاملہ تھا۔ کوئی جیتے کوئی ہارے، نہ سرکار کو شکست کا غم نہ فتح کی خوشی۔ سرکار ان دونوں باتوں سے پاک تھی۔ اور دونوں طرف سے سرکاری

---

[1] فتوح الغیب

کھیل تھا۔ بغاوت و اطاعت، حسنات و سیئات، خیر و شر دونوں کی تعمیل حکم سرکاری کے مطابق ہو رہی تھی۔ اور دونوں ملازم سرکار تھے ؎

گر در علمند خلق و گر معزولند | چوں درنگری جملہ بحق مشغولند
در مذہب تست برگزیں کردن | اینجا کہ منم جملہ جہاں مقبولند

ترجمہ: اگر لوگ مطیع و اطاعت گذار ہیں۔ یا بے عمل ہیں۔ مگر جب تو غور سے دیکھے گا۔ تو سب ہی مشغول حق ہیں۔ تیرے مذہب میں انتخاب کرنا اچھا ہے۔ مگر جس حال میں میں ہوں وہاں تمام جہان مقبول ہے۔

حسنات و سیئات اور ہدایت و ضلالت، ایک شانِ جمال ہے۔ ایک شان جلال ہے۔ خَیْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰہِ تَعَالیٰ، سرکاری حکم کی تعمیل سے کوئی خارج نہیں۔ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ یعنی نہیں پیدا کیا میں نے جنّ اور انسان کو مگر واسطے عبادت کے۔

؎ ہر چہ آید در نظر از خیر و شر | جملہ ذات حق بداں اے بے خبر

(ترجمہ) جو کچھ تیری نظر میں خیر و شر سے آئے اے بیخبر! سب کچھ ذات حق سے جان۔[1]

قربِ فرائض

قربِ فرائض کا تاثر یہ ہے کہ سالک کا وجود درمیان نہیں رہتا۔ ذات سالک فنا ہو جاتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ گویا ہوتا ہے۔ زبان عمرؓ پر اِنَّ الْحَقَّ یَنْطِقُ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَؓ۔ یعنی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان پہ حق چلتا ہے)۔ جب سالک فنا کے اس مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ تو صفات اس سے کیونکر منسوب ہو سکتی ہیں، حق سے منسوب ہوں گی۔[2]

[1] تذکرہ غوثیہ [2] تذکرہ غوثیہ

بزرگانِ دین کے اقوال

۱۔ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ کا قول ہے کہ سب ریاضتوں سے بہتر یہ ہے کہ میدان توحید میں سفر کرتا رہے اور اپنی ہمت کو حق تعالےٰ پر صرف کرے اور ایسا نہ ہو کہ جس آنکھ سے اس کو دیکھتا ہے۔ اس سے اس کے غیر کو دیکھے۔ ایسا کیا تو خدا کی نظر سے گر جائے گا۔

۲۔ حضرت ابراہیم ادہمؒ نے فرمایا ہے کہ اگر تو ولی ہونا چاہتا ہے تو دنیا اور عقبیٰ کی کسی چیز کا طالب نہ ہو۔ اپنے نفس کو حق تعالےٰ کے لئے فارغ رکھ اور اسی کی طرف متوجہ رہ۔

۳۔ وہ عابد جو عارف نہ ہو، اس کی مثال پن چکی کے گدھے کی سی ہے۔ جو نہیں جانتا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔

۴۔ حضرت مولانا رومؒ نے اپنے وصال کے وقت دوستوں کو غمزدہ دیکھ کر کہا کہ میں یہ جسم نہیں ہوں جو تم کو نظر آتا ہوں بلکہ میں وہ ذوق و شوق ہوں جو تمہارے دلوں میں میرے کلام سے پیدا ہوتا ہے۔ جب یہ ذوق و شوق دل میں پیدا ہو تو اس کو غنیمت جانو اور شکر کرو کہ میں تم میں موجود ہوں۔

۵۔ ذکرِ خدا کثرتِ عدد سے نہیں بلکہ حضورِ بے غفلت کا نام ہے۔

۶۔ فرمایا کہ اگر کسی روز بلا نہیں آتی تو کہتا ہوں، الٰہی! روٹی بھیجی، سالن نہ بھیجا۔

۷۔ معرفت یہ ہے کہ تو جانے کہ خلق کے حرکات و سکنات خدا سے ہیں۔

۸۔ سو درہم میں سے اڑھائی درہم بخیلوں اور دنیا داروں کی زکوٰۃ ہے۔ اور صدیقوں کی زکوٰۃ تمام مال کا صدقہ کر دینا ہے۔

۹۔ اللہ کی اطاعت قلب سے ہوتی ہے، قالب سے نہیں۔

۱۰۔ اہل اللہ کو تجارت اور خرید و فروخت ذکرِ اللہ سے غافل نہیں کرتی۔

۱۱۔ خدا کو خدا جاننا یہ ہے کہ شرک نہ کرے۔ اور رسولؐ کو رسولؐ سمجھنا یہ ہے کہ اس کے سوا کسی کی پیروی نہ کرے۔

۱۲ - ایک دفعہ بحالت نماز آپ نے آواز سنی اے ابوالحسن! کیا تو چاہتا ہے کہ جو کچھ ہم تیری نسبت جانتے ہیں، اسے خلق سے کہہ دیں تاکہ وہ تجھ کو سنگسار کر دیں۔ آپ نے کہا اے خداوند جو کچھ میں تیری رحمت وکرم کے بارے میں جانتا ہوں، وہ لوگوں سے کہہ دوں تاکہ کوئی شخص بھی تجھ کو سجدہ نہ کرے۔

۱۳ - حضرت شیخ ابوالحسن خرقانیؒ کو سلطان محمود غزنوی نے کہا کہ کچھ حضرت بایزیدؒ کی باتیں سنائیے فرمایا کہ بایزیدؒ نے کہا ہے کہ جس نے مجھ کو دیکھا، شقاوت سے محفوظ رہا۔ محمود نے کہا کہ وہ پیغمبر خدا سے زیادہ تھے کہ ابوجہل اور ابولہب نے انکو دیکھا تھا اور وہ شقی ہی رہے۔ حضرت شیخ ابوالحسن خرقانیؒ نے فرمایا۔ منہ سنبھال کر بات کرو اپنی بساط سے پاؤں باہر نہ رکھو۔ کہ ابوجہل نے اپنا بھتیجا محمدؐ دیکھا تھا، نہ کہ محمد رسول اللہؐ کو۔ یہ بات محمود کو اچھی لگی۔ اور کہا کہ مجھ کو نصیحت فرمائیے۔ فرمایا کہ چند باتوں کا خیال رکھنا۔ منہیات سے پرہیز، نماز باجماعت اور خلق خدا پر سخاوت وشفقت رکھنا۔ محمود نے کہا کہ میرے واسطے دعائے خیر فرمائیے۔ فرمایا میں تو ہر روز دعا کرتا ہوں۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ۔

۱۴ - فرمایا ستر سال گزر رہے ہیں کہ میں اللہ تعالےٰ کا ہو رہا ہوں اور اس مدت میں ایک مرتبہ بھی نفس کی مراد پوری نہیں کی۔

۱۵ - حضرت شیخ داتا گنج بخش لاہوریؒ نے فرمایا۔ صوفی وہ ہے کہ جس کا کردار موافق گفتار ہو۔ فرمایا "تصوف ایک حقیقت ہے بے نام اور آج ایک نام ہے بے حقیقت۔"

۱۶ - حضرت رابعہ بصریؒ نے دعا مانگی۔ اے خداوند کریم! دنیا اپنے دشمنوں کو اور آخرت اپنے دوستوں میں تقسیم کر دے۔ میرے لئے تو صرف تو ہی کافی ہے۔

۱۷ - بڑی اور شریر عورتوں سے خدا تعالےٰ کی پناہ میں رہ اور نیک عورتوں سے بھی پرہیز رکھ کہ ان کی طرف میلان کا نتیجہ شر ہی شر ہے۔

۱۸ - نماز میں قلب کی حفاظت کر، مجلس میں زبان کی حفاظت کر، غضب میں ہاتھ کی حفاظت کر اور دسترخوان پر شکم کی حفاظت کر۔

۱۹ - جس طرح آگ کا ایک ذرہ عالم کو تباہ کر دیتا ہے اسی طرح ایک بد کلمہ انسان کی حالت کو تباہ کر دیتا ہے

۲۰ ۔ جب مومن پر ہیبت الٰہی جم جاتی ہے ۔ تو اس کی عبادت و طاعت کو دوام ہمیشگی ہو جاتا ہے

۲۱ ۔ مظلوم کی آہ سے ڈرنا چاہیئے ۔ وہ آہ کے ذریعے اللہ کو پکارتا ہے ۔ اور لفظ اللہ میں آہ شامل ہے ۔

۲۲ ۔ نماز چار قسم کی ہے پچھاٹھ کی، آٹھ کی، کھاٹ کی اور تین سو ساٹھ کی ۔ پچھاٹھ کی وہ جو پنجگانہ پڑھتے ہیں ۔ آٹھ کی وہ جو آٹھویں دن صرف جمعہ کو پڑھتے ہیں ۔ کھاٹ کی وہ جو مجبوراً نماز جنازہ میں کھڑے ہو جاتے ہیں ۔ تین سو ساٹھ کی وہ جو صرف عید کے دن شامل نماز ہوتے ہیں

ادبِ ہندی

شبد (ایک بات) یہ ابر دھن (دولت) نہیں جو کوئی جانے بول ہیرا تو داموں (قیمت) ملے شبد کا مول نہ تول
پڑھ پڑھ کے سب جگ موا (مرا) پنڈت بھیا (ہوا) نہ کو ڈھائی اکھر پریم کے پڑھے سو پنڈت ہو
جو کچھ کیا سو تیں کیا میں کیا کچھ نا نہہ تجھ بن میں نے کیا (سمجھتے) کیا تو کبھی تھا مجھ مانہہ
بھیکھا بھوکا کوئی نہیں ہر دی گٹھڑی لعل گرہ کھول نہ جاندے تاں بدھے (ہمیں) کنگال

: ایک محسن دوست راجا عبد الحمید خاں جو کہ ادب ہندی سے بخوبی واقف ہیں، نے مؤلف کے نام ایک خط میں ہندی فلسفۂ توحید کی وضاحت کی ہے ۔ ان کا بیان کردہ فلسفہ لفظ بہ لفظ درج ذیل ہے :۔

" یہ فلسفہ چھ کتابوں میں لکھا ہے، جو شعروں میں ہیں ۔ انہیں کھٹ درشن (چھ درشن یا چھ فلسفے) کہتے ہیں ۔ چھٹا فلسفہ اتر میمانسا یا ویدانت کہلاتا ہے ۔ وید کے معنی ہیں علم یا کلام، انت کے معنی ہیں اور ٹک، ختم یا بس ۔ ویدانت کے معنی ہوئے وہ علم جہاں پہنچ کر علم ختم ہو جاتے ہیں یا وہ علم جہاں کلام ختم ہو جاتی ہے ۔ اس کا خلاصہ وہی مست کرنے والا شراب کا گھونٹ ہے ۔ جس کا نشہ ہر صوفی کو متوالا بنائے رکھتا ہے ۔ اہم اسمی یعنی میں وہی ہوں ۔ ایرانی صوفیوں نے اسے ہمہ اوست میں تبدیل کیا ۔ جس کے معنی ہیں سب کچھ وہی ہے ۔ اہم اسمی، منصور نے کہا ۔ فتویٰ لگ گیا ۔ سولی چڑھایا گیا ۔ ہمہ اوست کہنے سے نیکھے دیدے

گھور تپ ضرور ہیں پر قتل نہیں کر سکتے۔ آدمی خود محسوس کر سکتا ہے کہ حقیقی توحید کس میں ہے۔ ویدانت شاستر دنیا میں تصوّف پر پہلی کتاب ہے۔ یوگی ویدانت کے نشے میں یا شری کرشن جی کی زبان میں کہتا ہے :-

میں جوتوں کی جوت ہوں (نور الانوار) میں حقیقی سورج ہوں، ظاہری سورج تو میرا نشان ہے۔ اگر میں جوت نہیں ہوں۔ تو پہلے میں پرکاش (چاننا) کہاں سے آجاتا ہے۔ یہ میرے آتما کا پرکاش ہے، میرا آتما مجسّم پرکاش ہے۔ میں سمراٹوں کا سمراٹ (شہنشاہ) ہوں۔ ساری دنیا میرے ساتھ وابستہ ہے۔ ساری دنیا مجھ میں رہتی ہے۔ ساری دنیا مجھ میں حرکت کرتی ہے۔ میں چیونٹے سے ہاتھی تک کو پال رہا ہوں۔ ہر کہیں میری مرضی پر عمل ہو رہا ہے۔ یہ شیطانی خیال یہ دنیاوی خواہشیں، یہ میرے تاریک جسم اور من (ذہن، دماغ) کی پیداوار ہیں۔ مجھ آتما کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ جونہی مجھ آتما کا پرکاش ہوتا ہے، یہ چیزیں غائب ہو جاتی ہیں۔ میں سرب دیاپک (ہر چیز میں جاری ساری) ہوں۔ سب سے لطیف مادے۔ ایتھر کی طرح، جوت کی طرح۔ ایٹم میں میں ہی کام کر رہا ہوں۔ میں پھولوں میں رنگ اور خوشبو ہوں۔ ہوا میں سرسراہٹ ہوں۔ پتوں میں کھڑکھڑاہٹ ہوں۔ سمندر میں بل کھاتی ہوئی لہریں ہوں۔ بجلی میں کوند اور کڑک ہوں۔ بادل میں گرج اور مینہ ہوں، سورج میں دھوپ اور گرمی ہوں۔ چاند میں چاندنی اور ٹھنڈک ہوں۔ ستاروں میں چال سنگیت اور چمک ہوں۔ ذرّے ذرّے اور جز جز میں حرکت اور اہنکار (خودی میں ہوں) ہوں۔ میں کھیل والا ہوں، میں ہی نٹ ہوں، میں ہی تماشا دیکھنے والا ہوں۔ میں ہی تماشا ہوں میں ہی سٹیج ہوں۔ میں عالم ہوں میں ہی معلوم ہوں، میں ہی علم ہوں۔ مجھ میں زمان مکان اور علت معلول کے تعلق کا نام و نشان بھی نہیں۔ میں غیر محدود ہوں۔ یہ جہان نہیں تھا تو میں تھا۔ یہ جہان نہیں ہو گا تو میں موجود ہوں گا۔ بدنام سے بدنام بھی میں ہوں۔ نیک نام سے نیک نام بھی میں ہوں۔ نیچ سے نیچ بھی میں ہوں اونچ سے اونچ بھی میں ہوں۔ پسماندہ سے پسماندہ بھی میں ہوں۔ ترقی یافتہ سے ترقی یافتہ

بھی میں ہوں۔ واہ میں کتنا سندر ہوں۔ دنیا میں جتنے مشہور لوگ ہوئے ہیں وہ میں ہی ہوں۔ دوست میں ہوں، دشمن میں ہوں، میں تو ہوں، تو میں ہے۔ یعنی تجھ میں ہوں تو مجھ میں ہے۔ نہیں دوست دشمن میں تو کوئی فرق نہیں۔ یہ تمیز بے معنی ہے۔ سب ایکتا ہے سب میں ہوں۔ میں وہی ہوں۔ میں وہی ہوں میں وہی ہوں"۔

اسلامی تعلیم کی روشنی میں اس سارے فلسفے کا مقصود یہ ہے کہ ہر چیز میں خدا تعالے کا ہی حکم جاری وساری ہے۔ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِندِ اللَّهِ اور اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ۔ یہ وحدت مطلق ہے۔

حقیقتِ تصوّف

۱۔ ابُوتراب بخشی ؒ: صوفی وہ ہے جسے کوئی چیز ناپاک نہ کر سکے۔ اور خود ہر چیز کو پاک وصاف کر دے۔

۲۔ حضرت جنید بغدادی ؒ: ہمارا تصوّف کتاب وسنت کے ذریعہ مضبوط کیا گیا ہے جس علم پر کتاب وسنت شاہد نہیں اس کی کوئی قدر ومنزلت نہیں۔

۳۔ حضرت جنید بغدادی ؒ: تصوّف کے معنی یہ ہیں کہ باری تعالیٰ تیری خودی کو تجھ سے زائل کر کے تجھے فنا کر دے اور اپنے میں ملا کر تجھے زندہ وباقی کر دے۔

۴۔ حسین بن منصور حلاج ؒ: صوفی وہ ہے جو ذات کے لحاظ سے واحد ہو۔ نہ اس کی طرف کوئی متوجہ ہو۔ اور نہ وہ کسی کی طرف متوجہ ہو۔ تصوّف ترکِ اختیار کا نام ہے۔

۵۔ تصوف اعتراض سے اعراض کرنے کا نام ہے۔

۶۔ ہر صوفی عالم ہوتا ہے۔ لیکن ہر عالم صوفی نہیں ہوتا۔

۷۔ صوفی بچے ہیں جنہیں خدا گود میں لئے بیٹھا ہے۔

۸۔ تصوّف صرف خیال کے صحیح کرنے کا نام ہے۔

۹ - ابو عمر ابن الجنیدؒ - تصوف صبر کرنا ہے اور تحت امر و نہی ہے۔

۱۰ - محمد بن صادقؓ کا فرمان ہے کہ دین حسنِ خلق ہی کا نام ہے۔ بد خو و بد خلق کی جگہ دوزخ ہے اگرچہ نماز پڑھے اور روزہ رکھے۔

۱۱ - زاہد حرم میں کیا ہے ذرا بتکدے میں چل
تو جس کو ڈھونڈتا ہے وہ شاید یہیں نہ ہو
رہتا ہے وہ حرم میں صنم خانے میں نہیں
اچھا ترا خدا ہے کہیں ہو کہیں نہ ہو
جو ہر جگہ ہے اس کیلئے جستجو ہی کیا
کیا اس کو ڈھونڈتا ہے جو ملتا کہیں نہ ہو
تم دُور دُور ڈھونڈنے جاتے ہو کیوں اُسے
دیکھو کہیں یہیں رگ جاں کے قریں نہ ہو
کر ہر نفس سے زادِ راہ آخرت کی فکر
شاید یہی نفس واپسیں نہ ہو

نیستی ہستی ہے یارو اور ہستی کچھ نہیں
بیخودی مستی ہے یارو اور مستی کچھ نہیں
لامکاں کی منزلت پاتا ہے کب کون و مکاں
محو کے ویرانہ کے آگے ہے کی بستی کچھ نہیں
کچھ نہیں سب کچھ ہے یارو اور سب کچھ کچھ نہیں
غیر اس کے معنی رمزِ الستی کچھ نہیں
یہ جو کچھ ہونا ہے جسے کہتے ہیں پستی ہے میاں
فقر میں پستی یہی ہے اور پستی کچھ نہیں
بندگی اور حق پرستی کچھ نہ ہوتا ہے یہاں
کچھ نہ ہونے کے سوا اور حق پرستی کچھ نہیں

---

۱۲ - آیتِ قرآنی :- وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ یعنی وہ تمہارے نفسوں میں ہے۔ پس تم کیوں نہیں دیکھتے۔

۱۳ - اے یار وہ مطلق حقیقی شاہ رگ سے محبت رکھتا ہے۔ اور جس کے قریب شاہ رگ ہے حسن کی شورش بھی اسی میں پائی جاتی ہے۔

۱۴ - آیتِ قرآنی :- وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ - یعنی وہ تمہارے ساتھ ہے جس جگہ کہ تم ہو۔

۱۵ - آیتِ قرآنی - فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ - یعنی جس طرف تم رخ کرو اسطرف اللہ کا

چہرہ ہے۔

اے یار! پھر غیر دیکھنا واجب نہیں۔ اللہ تعالےٰ توفیق دے تو ہر راہ میں اس کے چہرے کے بغیر نہ دیکھے۔ تلسی داس فقیر کا بچن ہے ؎

پنڈے سوجت ناہیں لعنت ایسی زند　　　تلسی اس سنسار کو بھیا موتیا بند

۱۶ - حدیثے شہی لیشے۔ نَوْمُ الْعَالِمِ اَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ الْجَاهِلِ ہ یعنی سونا عالم کا افضل ہے جاہلوں کی عبادت سے ؛ یہ علمائے خاص کی طرف اشارہ ہے نہ کہ کسبی و رسمی علم کے عالم کیطرف.... حدیثے دیگر ؛۔ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ۔ یعنی اپنے نفس کی شناخت کرنا خدا تعالیٰ کی شناخت کرنا ہے۔

یہ نہیں فرمایا گیا کہ جس نے قرآن مجید حفظ کر لیا اس نے خدا تعالےٰ کو پہچان لیا۔ جس نے حج ، زکوٰۃ اور نماز کو ادا کیا یا پرہیزگار یا بڑا بھاری عالم بن گیا۔ اس نے خدا تعالیٰ کو پہچان لیا۔ ہرگز نہیں۔ قول حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ہے ۔ "اَلْعِلْمُ نُقْطَۃٌ" یعنی علم ایک نقطہ ہے ۔ جو انسان ہی کے لیے ہے۔ اور اسی کا مرتبہ ہے۔ کہ جاننے سے نہ جاننا اور نہ جاننے سے جاننا علم توحید کا ہے جو ایک ہی نقطہ ہے۔ ؎

مالا جپوں نہ نام لوں مکھ سے جپوں نہ رام　　　رام ہمارا ہم کو جپے اور ہم کریں بسرام

اساں واسطے برہم دے کھوجنے نوں لبیا آسر گرنتھ تے پوتھیاندا
کسے بید قرآن نوں واہ کھاہدا کسے واہ کھاہدا بھاڑا کھوتیاندا

ترجمہ :۔ اگر علم حاصل کر کے نتیجہ روزگار کا نکلا اور بے علم نے کھوتیوں سے کام لے لیا تو عالم اور بے علم کا درجہ مساوی ہوا

پڑھنا گرلُھنا کسب ہے اور سنوارے جیبھ　　　جس پڑھنے شوہ پا بیٹے او ہ پڑھنا کسے نصیب

اے یار خاموش ہونا ایک راز ہے۔ جو صحبت فقرا سے حاصل ہو سکتا ہے ۔ اس کے نام میں جسم کو اس طرح پوشیدہ کر جس طرح کہ الف بسم میں پوشیدہ ہے۔

اے یار! اگر تو عین دیکھے گا تو عین ہے۔ اگر غیر دیکھے گا تو غیر ہے۔ بلکہ عین غیب ہویت کے جمال پر نہیں۔ جب اس کی آنکھ دلہن کو ایک اور راز حاصل نہ ہو جائے۔

پس عبودیت اور ربوبیت دونوں ذاتی صفات ہیں۔ جس وقت حضرت محمد الرسول اللہ پر ربوبیت کی صفت غالب آتی اور عبودیت کی صفت محو ہو جاتی۔ اس وقت جو کچھ زبان مبارک سے ارشاد فرماتے وہ حدیث ہوتی۔ اور جبرائیل سے مراد یہی ہے۔ یعنی ان دونوں خواص کے درمیان خواطر ہیں۔ جو عبودیت کی صفت میں ربوبیت کے حال کی خبر دیتا ہے۔ اس میں شک نہیں۔ اسواسطے

؎ چوں در آید وصل را حالہ ۔ گم شود گفتگوئے دلالہ

ترجمہ:۔ جب وصال کی حالت آجاتی ہے۔ تو دلالہ کی گفتگو گم ہو جاتی ہے۔

بلکہ لاشیٔ بایک لئے کے دائرہ وحدت میں دلالہ کا کیا کام؟

ہستی موہومہ ایک برزخ ہے یعنی حجاب ہے۔ جس وقت وجود انسانی میں جلوہ نمائی ہستی مطلق کی ہو جاتی ہے تو ہستی موہومہ محو ہو جاتی ہے۔ اگر جلوہ نمائی ہستی موہومہ کی ہو جاوے تو ہستی مطلق محو رہتی ہے۔ افسوس، صد افسوس......

؎ اسے ہم نے بہت ڈھونڈا نہ پایا ۔ اگر پایا تو کھوج اپنا نہ پایا

جب تک ہے بندگی اور خدائی میں حجاب ۔ بندہ کو بھلا کہیں خدا ملتا ہے

اے یار! یہ حجاب ہستی موہومہ بڑا حجاب ہے۔ اس حجاب نے بہت ہی لوگوں کو ہلاک و تباہ کر دیا ہے۔ یہ حجاب سوائے تعلیم پیر و مرشد کے رفع نہیں ہو سکتا۔

اے یار! جس نے حسب ہدایت پیر و مرشد کوشش و ریاضت کے ذریعہ سے تحقیق و تمیز حال کر کے اپنے نفس کو پہچان لیا، وہ حق سے واصل ہو گیا۔ اور جس کو خدا شناسی حاصل نہیں ہوئی وہ چاہے ہفت اقلیم کا بادشاہ ہو یا صاحب کرامت، تو مرتبہ پستی میں فنا ہے۔ عارفان حق فرماتے ہیں کہ جب تک دل لگئی ماسوائے سے خالی نہیں ہے تمام عبادت نماز، روزہ اور ظہور کرامت، داخل شرک و نفاق ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رسمیؔ یعنی رسمی کلمہ کہنے والے حقیقی کلمہ سے

بے خبر ہیں۔ اور وہ مومن نہیں کیونکہ نا مراد، کلمہ سے واقف نہ مقصود سے آگاہ ہیں۔

پس ایسے کلمہ گو عارفوں کے نزدیک مشرک ہیں۔ اس لئے کہ بجز زبانی کلمہ تعلقہ کے اور کچھ نہیں جانتے۔ کہ کس کی نفی اور کس کا اثبات۔ اس لئے ثابت ہوا کہ مسلم قالی ہے اور مومن حالی ہے۔

سوال: جو کہ اَلْوُجُوْدُ وَاحِدٌ غَیْرُہٗ لَیْسَ بِمَوْجُوْدٍ یعنی وجود واحد ہے۔ اس کا غیر موجود نہیں، تو پھر کس کی نفی اور کس کا اثبات؟

جواب: نفی تو انانیت وغیرہ کی ہے۔ جس کا وہم و وسوسہ دل میں سما گیا ہے یہی شرک ہے اور اثبات وجود مطلق کا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ ہے۔

سوال: جب یہ بات مسلم ہے کہ اَلْوُجُوْدُ وَاحِدٌ غَیْرُہٗ لَیْسَ بِمَوْجُوْدٍ، تو بہشت و دوزخ کس لئے؟

جواب: انا کے واسطے یعنی جس نے نیکی و بدی کو اپنی طرف منسوب کیا۔ وہ بہشت و دوزخ کا مستحق ہے۔

سوال: بہشت و دوزخ کیا چیز ہے؟

جواب: عوام کے واسطے بہشت و دوزخ وہی ہے جو شریعت غرا میں شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمایا ہے۔ اور طریقت میں خاص کے واسطے وصال یعنی قرب اور مرتفع ہونا حجاب کا بہشت ہے اور فراق اور حجاب و غفلت دوزخ ہے۔

سوال: بامید بہشت و دوزخ عبادت کرنا کیسا ہے؟

جواب: بامید بہشت و دوزخ عبادت کرنا شرک ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ وَلَا یُشْرِکْ بِعِبَادَۃِ رَبِّہٖ اَحَدًا ۰ یعنی شریک نہ کر اپنے رب کی عبادت میں کسی ایک کو

سوال جب معرفت تمام حاصل ہو جائے تو عبادت کرنا درست ہے یا نہیں؟

جواب بعد معرفت تمام کے عبادت شرک ہے۔ چنانچہ حضرت سیدنا و مولانا غوث صمدانی محبوب سبحانی رح فرماتے ہیں کہ وَمَنْ اَرَادَ الْعِبَادَۃَ بَعْدَ الْوُصُوْلِ فَقَدْ اَشْرَکَ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ، یعنی جس نے ارادہ کیا عبادت کا بعد وصول کے پس اس نے تحقیق شرک کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ وصول سے مراد سیر فی اللہ ہے یعنی عاشق کی سیر معشوق میں ہے۔ اور شعور عبادت دوئی میں ہوتا ہے۔ اور دوئی عارفوں کے نزدیک شرک ہے، وارد ہوا ہے۔

سوال عارف ہمہ اوست کیوں کہتے ہیں، کیا یہ مقولہ صحیح ہے؟

جواب عارف ہمہ اوست کو صحیح و درست سمجھتا ہے۔ کیونکہ عارف جب منزل توحید میں پہنچتا ہے تو ان کو انکشاف توحید ہوتا ہے۔ تو ہر شے میں ذات واحد کو دیکھ کر نعرہ ہمہ اوست مارتے ہیں۔

سوال اگر ہمہ اوست صحیح ہے اور درست ہے۔ تو پھر عبادت کس لئے ہے اور کس کی۔!

جواب عبادت اپنی شناخت کا آلہ ہے۔ کیونکہ جب تک آئینہ دل کو مصقلۂ عبادت سے صاف نہ کرو گے معرفت نفس محال ہے۔ کَمَا قَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ لِکُلِّ شَیْءٍ صِقَالَۃٌ وَصِقَالَۃُ الْقُلُوْبِ ذِکْرُ اللّٰہِ تَعَالٰی۔

سوال وضو، غسل و نماز، روزہ و حج و زکوٰۃ، تجرید و تفرید و توبہ وغیرہ اعمال ظاہری سے اہل طریقت کی کیا مراد ہے!

جواب شریعت میں جس طرح یہ اعمال بتائے گئے ہیں، وہ ان کی صورت ہے۔ اور طریقت میں ان اعمال کی حقیقت مقصود ہوتی ہے۔ مثلاً وضو ظاہر میں حدث اصغر سے پاک ہونا ہے اور باطن میں تَطْهِیْرُ الْقَلْبِ عَنْ مَا سِوَی اللّٰہِ یعنی دل کو ہستی غیر کے خیال سے

پاک صاف کرنا حقیقتِ وضو ہے۔ اسی طرح غسل بظاہر حدث اکبر سے طہارت حاصل کرنا ہے اور
باطن میں شرک و دوئی حدث اکبر ہے۔ پس دریائے توحید میں غوطہ لگانا اس حدث سے غسل
کرنا ہے۔ اور جب سالک بحرِ فنا میں غرق ہوتا ہے تو یہ غسل آخر ہے۔ پھر کبھی نجس نہیں ہوتا۔

سوال تصوف میں قرب نوافل و قرب فرائض سے کیا مراد ہے؟

جواب انسان کو لباسِ تجلی اثیر کہتے ہیں کیونکہ اس میں نَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ
کی شان ہے اور اَلْاِنْسَانُ سِرِّیْ وَاَنَا سِرُّہٗ کی آن۔ جب انسان اپنی اصل کی
طرف متوجہ ہو کر مشاہدہ کرتا ہے۔ تو اس میں دو قسم کے کمال پیدا ہوتے ہیں۔ اوّل قرب نوافل
دوم قرب فرائض۔ قرب نوافل یہ ہے کہ صفات بشریہ زائل ہو جاتے ہیں اور اوصاف الٰہیہ حاصل
ہونے کا نام قرب فرائض ہے۔

سوال منزل توحید میں کیا سیر ہے؟

جواب غوث اعظمؒ فرماتے ہیں کہ منزل توحید میں کچھ نہیں، یعنی نہ بہشت نہ دوزخ،
نہ عابد نہ معبود، نہ عبادت۔ نہ عاشق نہ معشوق نہ عشق، نہ عارف نہ معروف نہ
عرفان، نہ خدا نہ رسول نہ مرسل۔ نہ مومن نہ کافر، نہ دین نہ ایمان، نہ کفر نہ اسلام، نہ واحد نہ
توحید نہ وحدت۔ نہ طالب نہ مطلوب نہ مطلب، نہ میں نہ تو، غرض توحید منزل نامرادی ہے اور
نامرادی میں مراد ہے (وارد ہوا ہے)

سوال تصوف میں فنا کتنی قسم ہے؟

جواب تین قسم کی، اوّل فنا وجودی کہ کل اشیاء کا وجود عارف کی نظر میں نیست و نابود
ہو جائے گا۔ اور جداگانہ ہر فرد میں ذات خدا جلوہ گر ہوگا اَلَسْتُ اِلَّا اللّٰہ کے ہی

معنی ہیں۔ لیکن اس میں شرک خفی موجود ہے۔ یعنی ناظر و منظور ہونا۔ اور اسی کو توحید وجودی کہتے ہیں۔ دوئم فناء عدمی۔ وہ یہ کہ وجود اشیاء کی بجائے وجودِ حق کا ادراک جو عارف کو حاصل ہوا ہے وہ بھی فناء ہو جائے۔ اس وقت وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ کے معنی منکشف ہوتے ہیں لیکن اس میں شرک اخفیٰ ہے کیونکہ ابھی وقوف ادراک باقی ہے۔

سوم فناء الفناء۔ وہ یہ کہ وقوف و شعور و ادراک وجود و عدم کا، طین وغیرہ کا، خودی و خدائی کا، ذکر و فکر کا، ہست و نیست کا کچھ اثر باقی نہ رہے۔ نہ واحد نہ یکی نہ دوئی، نہ خودی نہ خدا، نہ فنا نہ بقا، سب محو در محو ہو جائے ؎

انکار نہ اقرار نہ تصدیق نہ ایجاب اعمال نہ افعال نہ سنّت نہ کتاب
خود ہے نہ خدا ہے نہ خودی ہے نہ خدائی توحید کے دریا میں سب نقش برآب

اور یہی فنا کے معنی ہیں جو بیان کئے گئے ہیں۔ ہر کس و ناکس کے فہم میں نہیں آسکتے مگر ہاں جس پر اللہ تعالےٰ کا فضل و کرم ہو۔

سوال انسان اپنے فعل میں مختار ہے یا نہیں ؟

جواب انسان کو مطلق اختیار نہیں۔ محض معذور و مجبور ہے۔ انسان کی نیکی، بدی، ہدایت ضلالت، حرکات و سکنات تمام قبضۂ قدرت میں ہیں۔ قُلْ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ یعنی سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جابجا قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ کہ ہم نے کسی کو اختیار نہیں دیا۔ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔

صورتِ تفکر اے یارا ہر انسان کو لازم ہے کہ تنہائی میں بیٹھ کر دل کی طرف متوجہ ہو کر بغور سوچے کہ میں کون ہوں اور خدا کیا شے ہے۔ اور ظہورِ عالم جو نمودار ہے، کیا چیز ہے ! چند روز میں خود بخود ثابت ہو جائے گا۔ کہ میں یہ جسم نہیں ہوں کیونکہ جسم نہ تھا تو میں موجود تھا۔ اور جب یہ جسم و صورت نہ رہے گی۔ تو پھر بھی میں رہوں گا۔

فرماتا ہے۔ اور یُسَبِّحُ وَیُمَجِّدُ کی کیفیت طاری ہوتی ہے۔

ے نیست گشتم من زہستی ہائے تو من بروں رفتم دروں شد جائے تو

ترجمہ:- میں نیست ہوا تیری ہستی کی وجہ سے، میں باہر چلا گیا اور اندر تیری جگہ ہو گئی۔

پنجم مرتبہ تمثیلی۔ یعنی سالک کو ہر فرد موجودات جدا گانہ عین حق نظر آتا ہے۔ اور اس مقام میں سجدہ بت عین سجدۂ خدا ہے۔ ع ندیدم غیر تو در کعبہ و دیر

ترجمہ:- میں نے کعبہ و بت خانے میں تیرے سوا کسی کو نہیں دیکھا۔

ششم مرتبہ شیونائی۔ یعنی اللہ تعالےٰ عارف پر بہ تجلّی افعالی متجلّی وظاہر ہوتا ہے اور افعال موجودات عین افعال حق نظر آتے ہیں۔ یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَاءُ وَیَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ اس مقام میں دہندہ و کشندہ دونوں برابر ہیں لیکن ادراک رنج و راحت باقی رہتا ہے۔

ہفتم مرتبہ شہودی۔ یعنی اللہ تعالےٰ عارف پر اس طرح تجلّی فرماتا ہے کہ حجاب ظلماتی رفع اور کیفیتِ نورانی منکشف ہو جاتی ہے اور معرفتِ بے کیف و مشاہدۂ مدام میں مستغرق رہتا ہے۔ اس مقام میں وجود رنج و راحت کچھ باقی نہیں رہتا۔

ہشتم مرتبہ وجودی۔ یعنی تجلّیٔ وجود الٰہی میں ہستی سالک اس طرح مخفا ہو جاتی ہے جیسے نورِ چراغ ضیائے آفتاب میں۔ اس مقام میں سالک مثل جماد اپنے حرکات و سکنات سے محض بیخبر ہو جاتا ہے۔ اور اس حالت میں امتیاز مشاہدہ و مشہود بھی کفر ہے۔

نہم مرتبہ تنزیہی۔ اس مرتبہ میں جملہ کائنات کی ہستی پر تو انوارِ الٰہی میں ایسی فنا ہو جاتی ہے۔ کہ نظر سالک میں اصلاً نہیں آتی۔ بسبب اس دریائے ناپیدا کنار کا شناور صفات موجودات کی تجلیات سے فناء کلّی حاصل کرتا ہے۔ اور حدوث و امکان کی آلائش سے مجرّد ہو جاتا ہے۔ تو ایک موج قعرِ دریائے ذات سے تیر خفی پر وارد ہوتی ہے جو عارف کو ورطۂ عدم میں ڈال دیتی ہے۔ نہ فرش نہ عرش نہ اثر نہ خبر نہ علم خود نہ علم حق، غرض کچھ باقی نہیں رہتا۔

حدیث:- لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْہِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ

دریائے جمع الجمع میں مستغرق ہو جاتا ہے۔ اس وقت مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے۔

چہارم توحید معرفت۔ اس کو توحید ازلی، ذاتی، قدیمی اور الٰہی بھی کہتے ہیں۔ جس وقت عارف کامل مقام و مراتب سیر الی اللہ و فی اللہ، مع اللہ سے عروج کر کے مقام عین الجمع اور جمع الجمع میں پہنچتا ہے جو کہ انتہائے مراتب توحید سے ہے، اس وقت اپنے آپ کو عدم محض پاتا ہے۔ اور خودی سے بیخود ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ پیش از ترکیب اجزائے جسمی بصورِ اعیان ثابتہ علم قدیم میں موجود تھا۔ اس حالت کا بیان ہے اس آیت شریف میں هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ۝ ترجمہ:- آیا انسان پر وقتوں میں سے کوئی وقت گزرا ہے کہ وہ ایسی چیز نہ تھا جس کا ذکر کیا جائے۔ یعنی ایک وقت انسان کے لئے ایسا تھا کہ وجود خارجی تو کیا وجود ذہنی و لفظی بھی نہ رکھتا تھا۔ روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضؓ اس کو تاری سے سنتے تو فرماتے یَا لَیْتَهَا تَمَّتْ یعنی کاش یہ حالت پوری ہو جاتی۔ یعنی جہاں سے ہم نے سفر کیا ہے وہیں جا پہنچیں اور کثرت وحدت میں گم ہو جائے۔

اوّل توحید افعال۔ یعنی افعال و مفعولات کل باوجود کثرت و اختلاف اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ اور وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۝ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۝

دوم توحید صفات یہ علم قلب ہے۔ عبارت میں نہیں آ سکتا۔ اور جو شخص گمان کرے کہ یہ علم کتابوں سے پورا ہو سکتا ہے۔ وہ ناقص المعرفت ہے۔ علم صفات عارفین کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہوتا۔

آیاتِ قرآنی توحید۔ "تمہارا صاحب وہی اللہ ہے جس کے سوا بندگی نہیں کسی کی۔ سما گئی ہے سب چیز اس کے علم میں اور بندگی کسی کو نہیں مگر ایک معبود کو۔ اور مت پکارو اللہ کے سوا اور حاکم۔ کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا، ہر چیز فنا ہے مگر اس کا منہ

اسی کا حکم ہے۔ اور اسی کی طرف پھیرے جاؤ گے۔ تو کہہ وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ نرا دھار ہے۔ نہ کسی کو جنا نہ کسی سے جنا گیا۔ اور نہیں اس کے لئے جوڑ کا کوئی۔"[1]

حضرت ابوبکر شبلیؒ نے سوالِ اصحاب کے جواب میں فرمایا:۔

"جو کوئی عبارت میں توحید کی خبر دے۔ وہ ملحد ہے۔ اور جو کوئی اس کی طرف اشارہ کرے وہ ثنوی (جو دو خدا مانتا ہے) ہے۔ اور جو ایسا کرے وہ بت پرست، اور جو اس کی بات چیت کرے وہ غافل، اور جو اس سے چپ رہے وہ جاہل۔ اور جس کو گمان ہو کہ وہ اس تک پہنچا اور کچھ حاصل ہوا، وہ بے حاصل ہے۔ اور جو نزدیکی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ وہ دور ہوتا ہے اور جو آپ سے پاتا ہے وہ گم گشتہ ہے۔ اور جو کچھ وہم سے ٹٹولتے یا عقل سے تولتے ہو سب گھڑت ہے۔ جیسے تم خود ہو۔ توحید موحد کیلئے جمال احدیت کا حجاب ہے۔ توحید اس لئے ٹھیک نہیں ہوتی۔ کہ تم اس کو آپ سے طلب کرتے ہو۔"

حضرت محی الدین ابن عربیؒ نے لکھا ہے:۔

"اگر تو بالتنزیہہ کہتا ہے تو قید لگاتا ہے۔ اور جو بالتشبیہ کہتا ہے تو محدود کرتا ہے، اور جو دونوں میں کہتا ہے تو یہ پکی بات ہے۔ جو دو کہتا ہے۔ وہ مشرک ہے۔ اور جو فرد کہتا ہے۔ وہ موحّد۔"

پس تشبیہ سے بیچ اگر تو دوسرا بھی مانتا ہے۔ اور تنزیہہ سے بیچ اگر الگ جانتا ہے۔ پس تو وہ نہیں ہے، تو عین وہی ہے۔ اور تو اس کو عین امور میں مشروح و مقید دیکھتا ہے۔"

حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں، کہ میں چالیس سال دل کی تاک جھانک میں رہا۔ آخر یہ دیکھا کہ بندگی اور خداوندی دونوں حق کی طرف سے ہیں۔

حضرت ابوبکر واسطیؒ کا قول ہے کہ میں اس خدا سے بیزار ہوں۔ جو میری اطاعت کے سبب مجھ سے خوش ہو اور میرے گناہ کے سبب مجھ سے ناراض۔

حضرت بایزید بسطامیؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ ایک بار جلوت میں سُبحانی ما اعظم شانی

[1] تذکرہ غوثیہ۔

کہا۔ مریدوں نے عرض کیا۔ حضرت! آپ کی زبان سے یہ کیا کلمہ نکلا۔ فرمایا کہ اب اگر ایسا سنو تو بے تامل چھری مارنا۔ اگلے دن پھر وہی کیفیت ہوئی۔ مریدوں نے چھریاں ماریں مگر ان پر کچھ اثر نہ ہوا۔ اصحاب سے یہ واقعہ بیان کیا۔ فرمایا کہ بایزید ہے جسے تم دیکھتے ہو۔ وہ بایزید نہ تھا۔[1]

قصیدۂ حضرت عطارؒ

"میں قصیدۂ عطار لکھتا ہوں کیونکہ مجھ کو سوائے لکھنے کے اور کوئی کام نہیں ہے۔ تو اپنی آنکھوں کو کھول کہ جلوۂ دلدار (حقیقی) در و دیوار سے روشن ہے۔

میں تمہاری رگ گردن سے بھی زیادہ قریب ہوں۔ قرآن شریف میں آیا ہے تو اپنے خام خیال کی وجہ سے دور پڑا ہوا ہے۔ میں تمام چیزوں پر اس کو محیط دیکھتا ہوں۔ جو کہ تو نقش و نگار میں دیکھتا ہے تو اپنی کم بینی کی وجہ سے اے احمق موسیقار کی طرح خوش نوائی سے گاتا ہے۔ تو کب تک حیوان صفت رہے گا۔ ایک دو احمقوں کی طرح بجا ہوا۔

وہ تیرے سامنے سرو کی طرح کھڑا ہے۔ تو بھی نرگس کی طرح اس کو دیکھنے کے لئے سر نکال۔ اگر نورِ بی یُبْصِرُ (اس کی آنکھ سے دیکھتا ہوں) کا سرمہ ہو تو اپنی پر زنگار (میلی) آنکھوں میں لگالے۔ تو پھر اندر باہر، نیچے اوپر، آگے پیچھے اور دائیں بائیں، شاہد (محبوب) لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ تیرے سامنے اپنے روئے روشن سے پردۂ حجاب اٹھائے گا۔" ہر طرف اللہ ہی کا رخ ہے تجھ کو نظر آئے گا۔" وہ تمہارے ساتھ ہے" کے فرمان کے موافق تم کو اپنا جلوہ دکھائے گا۔ میں نے اس میں اپنی روح پھونکی۔ قافلہ تیری سرائے میں اپنا بار (بوجھ) رکھ دے گا۔ یہ تماشائے عجیب اگر تو دیکھے گا تو کہے کہ کوئی میرے سوا اس جگہ آباد نہیں ہے۔ اگر تو شمار کرے تو وہ احد ہے اور واحدیت (یکتائی) تجھ کو ہزاروں پہنچاتی ہے۔ یہ دریائے ناپیدا کنار، سب ایک قطرہ ہے۔ اور یہ سب خروار اور ذخیرہ ایک ایک دانہ ہی ہے۔ گھوڑا

---

[1] تذکرہ غوثیہ۔

ہاتھی اور پیادہ و سوار اپنے تن واحد سے صرف وہ سپہ سالار ہی ہے۔ مگر تیری دو اول ابھی تک دو بینی آنکھوں سے تجھ کو اونٹ، گھوڑا، ہاتھی اور گائے، گدھا وغیرہ نظر آتے ہیں۔ اور کوا، مور، سانپ، چیونٹی مکھی، بلبل، قمری، چکور اور باز وغیرہ۔ اور کافر و مومن اور لامذہب اور بے دین اور پرہیزگار، سنگدل و بد اعمال۔ اور جو کچھ تو جمادات و نباتات میں سے دیکھتا ہے۔ وحشی جانور، پرندے اور درندے حیوانات کی طرح، اور یہ سب آسمان و زمین اور بلند و پست، سب خبیثات اور طیبات سے نہاں کر یہ سب ذات پاک یزداں ہے جو کہ ان اطوار سے جلوہ آرائی کرتا ہے۔ اگر تو علم الیقین حاصل کرے۔ تو پھر تو عین الیقین کی طرف رسائی حاصل کرے گا۔ پھر تو حق الیقین کا چہرہ ظاہر طور سے دیکھے گا۔ اور تو آخرکار سب کائنات سے سعادت مند ہو جائیگا۔ ان ہی آنکھوں سے تو ظاہر دیکھے گا۔ اپنی صورت کو محبوب کی صورت پر، وغیرہ۔ اس وقت تو خود سمجھ لے گا کہ یہ سب وہی ہے۔ راحت و رنج اور تھوڑا بہت چنانچہ تو خود سے بولے گا اور خود سے سنے گا۔ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔ مگر افسوس تو اس مرتبہ تک کہاں پہنچے گا کہ تیرا گدھا (سواری فکر و عمل) پھر چلنے سے رہ گیا ہے۔ "جس نے مجھ کو طلب کیا اس نے پایا" یہ فرمان ہے، عاشقوں سے اس کا اقرار ہے ؎

"جس نے مجھ کو دیکھا اس نے خدا تعالےٰ کو پہچانا" اس وجہ سے سرورِ دو عالم احمد مختار ؐ نے فرمایا اور "جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے حق تعالیٰ کو پہچانا" ہرگز نہیں فرماتے۔ اگر حضرت علی کرار ؓ نہیں دیکھتے۔ "جو یہاں اندھا رہا وہاں بھی اندھا اٹھے گا" کی رمز سنو لے بیوقوف گدھوں کی مثل آدمیو (لوگو)! جس نے اس دنیا میں (حقیقت کو) نہیں دیکھا وہ قیامت میں بھی لذت دیدار سے محروم رہے گا۔ لہٰذا تو اس سے پہلے کہ تجھ کو اجل آجائے اور تیرے جسم سے جان نکال لے، کچھ نیک عمل کر۔ تیری منزل دور نہیں بلکہ نزدیک ہے مگر تو مردانہ وار قدم اٹھا۔ اس راستہ میں راہزن بھی ہیں اور تو مست اونٹ کی طرح مہار سے آزاد ہے۔ اگر تو مرد ہے تو انا لیلیٰ کہو ورنہ دیوانوں کی طرح سر کھجایا کر۔ کن معنوں میں انانیت کفر ہے۔ اے نیک عمل تو کچھ سمجھتا ہے۔ یعنی تو اپنے آپ کو "میں" نہ کہہ بلکہ پیغمبر علیہ السلام کی طرح کہہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ (کہ وہ اللہ ایک ہے) حضرت احمد مجتبیٰ ؐ کا وصف جان

لیکن اس کے درمیان سے میم نکال دے ۔ یہ کلام تیرے اندر ایک تاثیر کرے گا۔ جبکہ تیرے دل کا آئینہ دھندلا اور گرد و غبار آلودہ ہے ۔ ایک روز حضرت موسیٰ کلیم اللہ نے ایزد تعالیٰ جل شانہٗ سے مرشد کی درخواست کی۔ تو ان کو وحی آئی کہ جاؤ مفسدوں کے سالار و سرغنہ کے سامنے راستہ طے کرو ۔ اور اس کا حکم مانو، مجبوراً آپ اس لعین کے سامنے تشریف لے گئے ۔ اور کہا کہ میں تجھ سے کچھ نصیحت و ارشاد سننا چاہتا ہوں ۔ کیونکہ تو راہ عشق میں بڑا کامل ہے ۔ اس لیئے حق تعالےٰ نے مجھ کو ارشاد و ہدایت کیلئے تیرے سر پہ تاج مدار رکھا ہے ۔ یہ بات شعلہ کی طرح اس کے سر میں بھڑکی ۔ اور وہ اپنی جگہ سے اچھلا اور پھر مشل شرار بیٹھا، اور ابلیس نے کہا کہ میں تو روز ازل ہی سے طوق لعنت اپنی گردن ادبار میں رکھتا ہوں ۔ اور تم اللہ تعالےٰ کے دوست ہو ، تم کو میری پیروی سے شرم نہیں آئے گی ۔ تم اللہ سے کلام کرنے والے ہو ، تم کو اس سے عار نہیں ۔ بھلا میں کہاں اور کہاں یہ احکام کا طریقہ ، میں کہاں اور کہاں اس طریقے کی ہدایت ، میں تو عصمت و ناموس کو نگلنے والا ایک مگرمچھ ہوں ۔ اور میں تو ایک چھپا ہوں تباہی کی راہ کا ۔ اگر تم راہ گمراہی و ضلالت معلوم کرنا چاہو تو مجھ سے پوچھو کیونکہ میں تو مفسدوں اور شریروں کا سپہ سالار اور لیڈر ہوں ۔ پھر اس نے بزبان نیاز مندی یہ عرض کیا کہ اے وہ جو راہ عشق میں خوش رفتار ہے ۔ تو یہ کہتا ہے کہ مجھ کو سبق دو تو تو میرا یہ نکتہ یاد رکھ ۔ پھر وہ جوش کلام میں آیا اور اس نے اپنے لب گوہر نشاں و شکر باریں کھولے کہ اے موسیٰؑ ! اگر تو مجھ سے ان معنوں کو خیال میں رکھے ورنہ تو مجھ سے ایک طویل داستان لکھے گا ۔ تو " میں " مت کہا کر جب تک کہ تو میری طرح نہ ہو جائے ۔ یہ بات تو میری طرف سے اپنی خاطر و خیال میں رکھ ۔ جب تو میری طرح ہو جائے تو پھر تو جا اور جو جی چاہے کہا کر اور خوف نہ کر یعنی اے راز مرد پہلے تو میری طرح ہو جا ۔ اس کا زخم محبت اپنے سینہ پہ کھا اور سپر و بچاؤ نہ کر ۔

جب یہ بات حضرت موسیٰؑ نے سنی تو اس سے بڑے عجز و انکسار سے کہا ، سچ کہا تو نے میں ٹھیک سمجھا ہوں یہ بات اے عیاروں کے بادشاہ ۔ ہم بالکل پانی ہیں اور ہم اور وہ بہم ساتھ ہیں اس طرح سے بالکل جیسے پانی میں شکر ملائی ہو ۔ خیال کرنا چاہیئے ہم آب ہیں اگرچہ بظاہر شاہوار (موتی)

معلوم ہوتے ہیں۔ ہم اپنا نام پانی کی طرح کیسے لیں جب کہ ہم شکر کی طرح شریک ہیں۔ اسی طرح تو پانی کو بالکل اولہ دیکھ اور اولہ کو عین آب سمجھ۔ تو اپنے آپ کو درمیان میں مت دیکھ یہ سدِ سکندری اپنے درمیان سے ہٹالے۔ لیکن عشق کی بازی گاہ میں کسی نے منصور سے بڑھ کر بازی نہ لگائی۔ جب تک تو موجود ہے۔ خدا خواب میں ہے۔ جب تو مرے گا تو وہ بیدار ہوگا۔ اگر تم سچے ہو تو موت پس موت کی تمنا کرو۔ حدیث میں آیا ہے، اگر تو اجل سے پہلے مر جائے تو پھر تجھ پر تیر و خنجر وغیرہ کارگر نہ ہوں گے۔ اور ملک الموت کو یقیناً پارہ کی طرح تجھ کو مارنا دشوار ہوگا۔ اگر کوئی احمق شکار کو جائے بھلا عنقا کو کب شکار کر سکتا ہے۔ تو اس بارگاہ میں خوف و امید کے ساتھ اے سعادت اطوار رہ۔ اور اپنی زبان سے یہی من د تو کہے جا۔ اے میری جان تو ایک عرصہ سے ہوشیار ہوگا۔

عشق تیرے دل میں شمع جلائے تو پھر تجھ کو روز روشن شب سیاہ کی مانند نظر نہیں آئے گا۔ تو پھر ذوق و شوق اس قدر دیکھے گا۔ کہ میری طرح سے اپنے سے بیزار ہو جائے گا۔ تو مستی و شوق میں ایسا محو ہو جائے گا۔ کہ پھر تجھ کو کلاہ و دستار کی کچھ پہچان نہ رہے گی۔ اس مستی سے دو خصلتیں نمودار ہوئیں ہیں صفحۂ اظہار پر بیان کرتا ہوں۔ یا تو بالکل گونگے کی طرح خاموش ہو جاتا ہے یا پھر طول بیانی سے گفتار کرتا ہے۔ اور جب کہ کوئی واقف حال ہو کر گونگا بن جاتا ہے۔ تو پھر وہ برابر سلامتی کے ساتھ رہتا ہے۔ اور اس کی زلف کا ایک بال بھی بیکا نہیں ہوتا۔ اور اس کے جبہ عظمت کا ایک تار بھی گم نہیں ہوتا۔ اور ایک وہ ہے جو کہ سر دیدیتا ہے۔ وہ کیا ہی سرمست ہے اور ایک وہ ہشیار ہے جو سر سلامت لے جاتا ہے۔ یعنی ضبط کر کے خاموش رہنے والا سلامت رہتا ہے۔ اور عالم سرمستی میں بے اختیار ہو جانے والا اپنا سر انا الحق کہہ کر کٹا دیتا ہے۔ کبھی تو لمبی زبان والا خاموش ہو جاتا ہے۔ اور کبھی گونگی زبان والا بولنے لگتا ہے۔ انہی معنوں میں موج زنی ہوتی رہتی ہے۔ اور اس کا مطلع مطلع انوار کی طرح ہے۔ ایک تو وہ ہیں جو مثل بلبل بہار نغمہ خواں ہیں۔ اور ایک وہ ہیں جو کہ صندوقچہ عطار کی طرح خاموش ہیں۔ لیکن ان کی خوشبو سے دماغ معطر ہو جاتا ہے۔ اور وہ اپنی حیثیت کا پتہ دیتا ہے۔ اس کے سوا کون ہے کہ وہ کلام کرے یا خاموش

بیٹھے اے ولدار! قرب کے واسطے وہ خود پھرتا ہے۔ اور قدم قدم کی رفتار میں وہی جلوہ ہے زلف مشکیں کی تابداری میں اور وسمۂ ابرو میں، چشم مست کے سرمہ میں اور رخسار رنگین کے غازہ میں۔ پانی کے رنگ میں اور یاقوت کی آب میں اور مشک میں اور خوشبو میں اور مشک تاتار میں۔ غرض ہر صورت و حالت میں وہ خود فاعل اور مفعول ہے۔ اور وہ خود ہی ہر کام میں قبض و بسط، تنگی و کشادگی کرتا ہے۔ وہ اپنا آپ ہی ناظر ہے اور خود ہی منظور ہے۔ خود ہی تماشا ہے اور خود ہی تماشاگر ہے وہ اپنا عاشق بھی خود ہے۔ اور خود ہی معشوق ہے۔ خود ہی اپنا طبیب و معالج ہے اور خود ہی بیمار ہے۔ خود ہی طوطئ خوش نوا ہے۔ خود ہی آئینہ ہے۔ اور خود ہی طوطی کے سامنے آئینہ داری کرتا ہے۔ وہ خود ہی ہر گناہ کی سازگاری کرتا ہے۔ اور خود باب استغفار کھٹکھٹاتا ہے، وہ اپنی حمد خود اپنی زبان سے ہی کرتا ہے۔ تاکہ اپنے اوپر خود قبولیت ہو۔ خود ہی پیغمبر بن کر پیام لاتا ہے۔ اور خود ہی اپنا مقرب ہو کر اقرار کرتا ہے، وہ خود ہی حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کی زبان مبارک سے کہتا ہے کہ میں بغیر میم کے احمد ہوں۔ اور " مجھے اللہ تعالےٰ کے ساتھ ایک وقت ہے" جس میں کسی نبی مرسل اور کسی مقرب فرشتے کی گنجائش نہیں۔ اور حدیث مَنْ رَاٰنِیْ بھی وہ حضرت سید الابرار رسول مقبول ؐ کے نطق مبارک سے کہتا ہے۔ اور "اے میرے رب تو مجھ کو اپنا جلوہ دکھا" کبھی وہ خود اپنے کان میں آپ ہی کہتا ہے۔ اور خود اپنی حسرت دیدار کا تذکرہ کرتا ہے اور پھر خود ہی یہ کہہ دیتا ہے کہ " تو مجھ کو نہیں دیکھ سکے گا"، یہ سب کچھ اسی کی گرمی بازار کیلئے ہے وہی لب منصورؒ سے انا الحق (میں حق ہوں) کا نعرہ بلند کرتا ہے۔ اور خود ہی عالم ذوق و شوق میں بر سر دار (سولی) کبھی آجاتا ہے۔ یہ میں نہیں ہوں، وہ خود ہی قافیہ سنج ہے اور شعر گوئی کرتا ہے۔ اور میں نہیں ہوں وہ خود ہی گرم گفتار ہے بس ایک کان ہے اور یہ حیات صرف (وحدت میں کثرت) ہے۔ ورنہ ہمیشہ وہی خالق و دوّار (محیط) تمام خیر و شر کے ساتھ ہے۔

چنانچہ ایک مرتبہ بروز ہفتہ منبر کے اوپر حضرت شبلیؒ خطبہ کے لئے چڑھے اور انہوں نے توحید ایزد تعالیٰ جل شانہٗ کا ذکر شروع کیا کہ وہ ایک ہی ہے۔ کیا دس، کیا سو اور کیا ہزار

مگر اس جگہ ان کے مرشد حضرت جنید بغدادیؒ بھی تشریف رکھتے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ اے پاکباز و پاک عیار! جو کچھ میں نے تجھ سے تخلیہ میں کہا ہے وہ تو سب کے سامنے ظاہر کر رہا ہے۔ انہوں نے کہا افسوس! اے یکتائے زمانہ بزرگ! آپ سخن مشترکانہ کو چھوڑ دیجیئے۔ میں تو خود ہی کہہ رہا ہوں۔ اور خود ہی سن رہا ہوں۔ میرے سوا دونوں جہان میں کوئی غیر نہیں (اَنَا لَا غَیْرِیْ) میرے حکم سے اٹھ (زندہ ہو) اور "اللہ کے حکم سے زندہ ہو" یہ دونوں لب یار ہی سے ایک نغمہ بلند ہوا ہے۔ خواہ تو نوافل کا قرب کہہ، چاہے تو اس کے فرضوں کا قرب شمار کر، نام لینے سے یا سوتے نام کے زیر و بم کا فرق نہیں ہے۔ اور زیر و بم بھی ایک تار سے سُر مارتا ہے۔ تو اپنے لوح دل سے نقش غیر دھو ڈال اور خود کو اپنا خدا سمجھ۔ اے میری آنکھ کے نور اپنی خودی سے گزر جا کیونکہ اس غرور خودی ہی کی وجہ سے سب ذلت ہوتی ہے۔ اگر تو ان بال و پر سے پرواز کرے تو پھر تو ایسا شاہباز ہے جو جبرائیلؑ کو شکار کرے۔ اور وہ کہ تیرے سوا کیا ہے، تیری ہستی۔ تو اس اپنے آپ سے کنارہ کر اور دور رہ ورنہ اگر تو اپنی خودی کے ساتھ خدا کہے گا تو تو مشرک ہوگا۔ اور خدا کی نافرمانی کرے گا۔ کیونکہ حکم خدا ہے کہ شرک مت کرو۔ اس لئے تو اپنے تئیں شرک سے بچا۔ کفر و شرک دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک خفی ایک جلی، میں دونوں کو تیرے سامنے بیان کرتا ہوں:-

اے فرزند! لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ (نہیں کوئی معبود اللہ کے سوا) خود شرک خفی کا آئینہ دار ہے اور رسول اللہ ﷺ شرک جلی ہے۔ تو اپنے آپ کو دونوں شرکوں سے نکال۔ اگر تو شرک جلی سے نجات پائیگا تو پھر اپنے تئیں شرک خفی سے بچا۔ جب تو اس شرک سے بھی پاک ہو جائے گا تو اس وقت تو صوفی شطارؒ ہو جائے گا۔

ایک سالک نے خاص حضرت جنید بغدادیؒ سے پوچھا کہ سر تا پا اسرار و رموز ذرا بیان فرمائیے کہ مشرک کون ہے۔ فرمایا اے بیہودہ گو و بیوقوف جو بغیر دیکھے اس کا نام لیتا ہے۔ وہ مشرک اور فضول و ناہموار ہے۔ وَ تُفْنِیْکَ اِلَی اللہ اپنے نفس کو دور کر اور بلند ہو اسن اور اے بھائی اپنے کانوں میں روئی ٹھونس کر بند کرلے، جو کہ اس کے قریب ہے انا الحق کا کلمہ کتنا

ہے اور وہ جماعت کفار میں سے ہے، جو کہ منکر ہوا مشرک ہوا۔ میں اس سے اور ایسے اس کے عقدا سے بیزار ہوں۔

جبکہ تو دوئی کا پردہ درمیان سے اٹھا دے گا تو تو اسے دیکھے گا۔ اور وہ پھر تجھ سے گفتگو کرے گا۔ تو دین احمدی کو اختیار کر اور صدق دل سے مسلمان ہو۔ تو اپنے آپ کو چھوڑ دے اور یہ دوئی کا زنار توڑ ڈال۔ اور تو اس بت کو حضرت ابراہیمؑ کی طرح توڑ تاکہ تو اگر دوزخ کی آگ میں بھی جائے تو وہ گلزار ہو جائے۔ تو اپنے ہر قول و فعل میں بزرگان سلف کا اتّباع کر اور باطن کے غیر کو ظاہر پہ چھوڑ دے۔ تو باطن میں ربوبیّت کا خیال کر اور ظاہر میں عبودیت کا اقرار کر تو اپنا ظاہر تو وضو سے پاک کر اور اپنے باطن کی نماز پڑھ، پس وضو کیا ہے، دل کا پاک کرنا ہے۔ اور دل کی پاکی کیا، دل کو غیروں سے پاک و صاف کرنا ہے۔ تیری مسجد مقام تسلیم ہے۔ اور تیرا قبلہ گاہ طاق ابروئے یار ہے۔ اور نماز میں اس نگار بیمثال و محبوب حقیقی کو دیکھنا۔ اے فرزند! اپنا ظاہر و باطن شمار کر، تو عبادت میں کسی کو شریک مت کر، اس لئے کہ اس کا شریک نہ کرنے کا حکم ہے۔ روزہ جو ہے وہ حفظ دل ہے، ہر خطرات سے بچنے کیلئے اور افطار مشاہدہ سے ہوتا ہے۔"[1]

یہ قصیدہ حضرت شیخ فریدالدین عطارؒ کا الہامی کلام ہے۔ موحّدوں کے لئے بڑا پر اثر ہے اور درویش کے لئے بڑی وصیّت ہے۔

---

[1] از تذکرۂ غوثیہ

گڈریا کا قصّہ

یہ عجیب وصیت ہے درویشوں کو اور بڑے راز کی بات ہے۔ اگر عشق ہو تو ایسا ہی ہو عشق میں کثرت، وحدت، کفر، اسلام، شریعت اور طریقت کی شرط نہیں۔

ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک گڈریا کو راستے میں دیکھا کہ وہ کہہ رہا ہے کہ میرے خدا! واللہ تو کہاں ہے تاکہ میں تیری خدمت کروں۔ تیرا لباس سیئوں اور تیرے سر میں کنگھی کروں اے خدا تجھ پر میری جان قربان ہو اور میرے تمام بال بچے اور سب گھر دیار تجھ پر نثار ہو۔ تو کہاں ہے کہ تیرے سر میں کنگھی کروں۔ تیری گودڑی کو دھوؤں اور اس میں بخیہ کروں۔ اور تیرے جامہ کو سیئوں اور اس میں سے جوئیں نکالوں، اے صاحب شانہ! تیرے لئے میں دودھ پیش کروں اور اگر تو بیمار ہو جائے تو میں تیری تیرے عزیزوں کی طرح غمخواری کروں۔ میں تیرے لئے چادر اوڑھنے کو لاؤں۔ اگرچہ میں نے کبھی تیرا گھر نہیں دیکھا ہے مگر میں تیرے لئے صبح و شام روغن، تیل اور دودھ لاؤں۔ اور تیرے لئے پنیر اور چپڑی ہوئی روٹیاں بھی حاضر کروں۔ اور عمدہ مکھن اور لسی بھی تیرے واسطے صبح و شام پیش کروں۔ اور ہمیشہ تیرے واسطے کھانے پیش کیا کروں۔ اے میرے خدا! میری تمام بکریاں تجھ پہ قربان ہو جائیں۔ اے خداوند تیری ہی یاد میں میری یہ سب ہائے اور ہو ہے۔

جب اس نے اس طرح کی بے ہودہ باتیں اس کی شان مقدس میں کہیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حیران ہو کر اس سے کہا، تو کس سے یہ کہہ رہا ہے؟

اس نے جواب دیا کہ اس سے عرض کرتا ہوں جس نے کہ مجھے پیدا کیا اور یہ زمین و آسمان۔ یہ سن کر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، ہائے افسوس تو خیرہ سر ہو گیا ہے اور تو خود مسلمان نہیں ہے۔ کافر ہو گیا ہے۔ یہ کیسا طریقہ ہے۔ یہ کفر ہے اور شرک ہے۔ تو اپنے منہ میں روئی ٹھونس کر بند کر لے۔ تیرے کفر کی ناپاکی نے سارے جہان کو گندہ کر دیا ہے۔ اور تیرے کفر نے دنیا کے لباس کو تار تار کر

ڈالا ہے۔ چادر و جوتی وغیرہ لباس تو تیرے لئے ضروری ہے بھلا آفتاب کو اس کی کیا ضرورت ہے۔ اگر تو اس بات سے اپنا منہ بند نہیں کرے گا۔ تو خلقت کو جلانے کے لئے آگ آ جائے گی۔ اگر نہیں آئی ہے تو یہ دھواں کیسا ہے؟ تیری جان سیاہ ہو گئی ہے۔ روح مردہ کہاں ہے۔ اگر تو جانتا ہے کہ خدا تعالےٰ واحد ہے اور منصف ہے۔ تو تیری گستاخی کب قابل یقین ہے۔ بے عقل کی دوستی دشمنی جیسی ہے۔ حق تعالیٰ جل شانہٗ تیری ایسی خدمتوں سے بری ہے۔ اور بے نیاز ہے۔ تو بھلا کس سے یہ غم و حال کی باتیں کر رہا تھا۔ وہ ذوالجلال اپنی صفات میں کسی شئے کی حاجت نہیں رکھتا۔ اور دودھ تو وہ پیتا ہے۔ جو نشو و نما میں ہو۔ اور جوتیاں وہ پہنتا ہے جو پیروں کا محتاج ہو۔

اس نے کہا اے موسیٰ علیہ السلام! تو میرا منہ بند کرتا ہے۔ تیری پریشانی نے میری جان کو جلا ڈالا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے کپڑے غم و غصے میں پھاڑ ڈالے اور پھر ایک جلی آہ کھینچ کر اپنا سر جنگل میں ڈالا اور چلا گیا۔

پس اسی وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی آئی۔ خدا تعالےٰ نے فرمایا، اے موسیٰؑ تو نے ہمارے بندہ کو جو ہماری محبت و دوستی کا دم بھرتا تھا ہم سے جدا کر دیا۔ تو لوگوں کو حق سے ملانے کے واسطے آیا ہے نہ کہ انکو جدا کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ جب تک ہو سکے تو فراق میں قدم نہ رکھ کیونکہ سب سے بری شئے اللہ کے نزدیک جدائی ہے۔ ہم نے ہر ایک کی ایک علیحدہ سیرت رکھی ہے۔ اور ہم نے ہر ایک کو ایک الگ اصطلاح دی ہے اس کے حق میں یہ تعریف ہی ہے اور تیرے واسطے برائی ہے۔ اس کے واسطے شہد ہے اور تیرے واسطے زہر، اس کے واسطے نور اور تیرے واسطے تاریکی۔ اس کے حق میں پھول اور تیرے لئے یہ کانٹا ہے۔ ہم پاکی و ناپاکی سے بری ہیں اور ہر گراں جانی اور چالاکی سے بھی۔ میں نہیں کرتا۔ یہ خلق غیر مفید کام کرتی ہے۔ بلکہ میں تو اپنے بندوں سے مہربانی اور بخشش ہی کا سلوک کرتا ہوں، ہندیوں کو ہند کی اصطلاح اچھی لگتی ہے۔ اور سندھیوں کو سندھ کی اصطلاح بہتر لگتی ہے۔ میں مخلوق کی تسبیح خوانی کی وجہ سے پاک نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ خود پاک ہوتی ہے۔ اور موتی بکھیرتے ہیں۔ میں ظاہر کو نہیں دیکھتا اور ان کے حال پر نظر نہیں کرتا۔ میں تو ان کے باطن اور ان کے

CS CamScanner

حال کو دیکھتا ہوں ۔ میں ان کے دل دیکھنے والا ہوں اگرچہ وہ خوف رکھتے ہیں ۔ چاہے وہ زبان سے ایسے لفظ نہ کہے ۔ اے موسیٰ! دانا و عاقل لوگوں کے آداب اور ہیں اور سوختہ جان اور اہل محبت کے اور ہیں عاشقوں کا ہر نفس جلانے والا ہے ۔ اور ویران گاؤں پہ کوئی خراج و محصول اور عشر (دسواں) وغیرہ نہیں ہوتا ۔ اگر وہ غلط کہتا ہے تو اس کو خطا وار نہ لکھ اور اگر شہید خون میں بھر بھی جائے تو اسے غسل نہ دو کیونکہ شہیدوں کا پاک خون پانی سے بڑھ کر ہے ۔ اور یہ خطا سو ثوابوں سے بہتر ہے ۔ جیسے کہ کعبہ شریف کے اندر قبلہ کی رسم نہیں ہے ، ہر طرف قبلہ ہی ہے ۔ اور جیسے غوطہ خور کو اپنے پیروں میں جوتی نہ ہونے کا غم نہیں ہوتا ۔ تو سرمستوں (بادۂ محبت کے متوالوں) سے آداب ظاہر نہ ڈھونڈھ ، اور جو کہ اپنا لباس پارہ پارہ کر چکے ہیں ان سے رفو کرنے کو مت کہہ کیونکہ مذہب عشق سب سے جدا ہے ۔ ان کا دین وملت تو سب خدا کی محبت ہی ہے ۔ اس کے بعد ان کے ہر بال اور رونگٹے میں حق پوشیدہ ہوتا ہے ۔ اور ان کا راز بیان کے قابل نہیں ہے ۔

یہ باتیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل پہ وحی کی گئیں اور دید وشنید باہم ملا دی گئی ۔ کچھ تو وہ ہوتے ہیں جو بے خود ہوتے ہیں اور کچھ اپنے ہوش میں ہوتے ہیں ۔ کچھ اہل عرفان ازل سے ابد کی طرف اڑتے ہیں ۔ اگر اس کے بعد بھی میں اس کی شرح و تفصیل بیان کروں تو بے وقوفی ہوگی ۔ کیونکہ اس کی شرح تو عقل وفہم سے باہر اور ماوریٰ ہے ۔ اگر میں پھر بھی کہوں تو عقلوں کو کھو ڈالے اور تباہ کر ڈالے ۔ اگر تحریر کروں تو قلم کا سر پھٹ جائے ۔ اور اگر میں اس کی معتبر شرح کروں تو بس یہی ہے ۔ کہ وہ قیامت تک مختصر ہی ہو ۔ اس وجہ سے مجبوراً میں نے اس کو کوتاہ و اختصار سے ہی بیان کیا ہے ۔ اور اگر تو چاہے تو خود اپنے اندر اس کو پڑھ اور راز حقیقت سے روشناس ہو ۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ کلمات عتابانہ حق تعالیٰ جل شانہ سے سنے تو وہ اس جنگل بیابان میں گڈریا کے پیچھے بھاگے ۔ مگر انہوں نے اس "سرگشتہ" کا جب نشان نہ پایا تو اس کے قدموں کے نشانوں پہ تلاش کرتے چلے ۔ صحرا کی خاک اڑ اڑ کر ان پہ پڑتی جاتی تھی ۔ اور کسی شوریدہ سر کی طرح ان کے قدم مبارک خاک آلودہ ہو رہے تھے ۔ کبھی دوسرے لوگوں کے قدم بھی راستہ میں مل

جاتے تھے۔ جس سے تلاش میں دشواری ہوتی تھی کبھی ان کا قدم اونچا پڑتا تھا کبھی نیچا، اور وہ ان کا ایک قدم ہاتھی کی طرح اپنے سائے کے شک میں پڑتا تھا۔ تو دوسرا بلند موج کی طرح اچھلتا ہوا جھنڈے سے اڑا آتا پڑتا تھا۔ کبھی اس طرح چلتے تھے جیسے مچھلی اپنے پیٹ پر گھسٹتی چلتی ہے۔ اور کبھی خاک کے فرش پر اپنا احوال رقم کرتے جاتے تھے جیسے رمّال رمالی کرتے ہیں۔ کبھی حیران ہو کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور کبھی چل پڑتے۔ اور کبھی گیند کی طرح خاک آلودہ گرتے پڑتے چلتے۔ غرض عجیب سرگردانی کا عالم تھا۔ آخر کار ان کی یہ دیوانہ وار سعی و کوشش کامیاب ہوئی۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو پا لیا۔ اور اس شیفتہ و والۂ محبت کو خوش خبری سنائی کہ بس قاعدہ معلوم ہو گیا۔ اب تو کوئی آداب و قاعدہ مت ڈھونڈھ اور جو کچھ تیرا نیک دل چاہتا ہے کیا کر کیونکہ خوش محبت میں تیرا یہ کفر بھی دین ہے۔ اور تیرا دین جان کی روشنی ہے۔ تیری ہی امان کی وجہ سے ایک جہان امن و راحت میں ہے۔ تو مجھ کو معاف کر کیونکہ جو کچھ اللہ تعالےٰ چاہتا ہے کرتا ہے۔ یہ سن کر اس نے بیباکی سے اپنی زبان کھولی اور کہا۔ اے موسیٰ علیہ السلام! اب میں اس سے گذر گیا ہوں کیونکہ اب میں اپنے خون دل میں آلودہ ہو رہا ہوں۔ میں اس بلند مقام سدرۃ المنتہیٰ سے گذر گیا۔ اور ہزاروں ہزار سال کے آنسو میں نے بہائے ہیں۔ آہ تو نے ایسا تازیانہ مارا کہ میرا گھوڑا مر گیا۔ اب تو ایک گنبد جان، آسمان سے تو گزر گیا ہوں۔ ناسوت نا محرم لاہوت کو ہو۔ ایسے دست و بازو کو تحسین و آفرین ہو۔ بس اب تو میرا حال بیان سے باہر ہو گیا ہے۔ اور یہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں۔ یہ میرا احوال نہیں ہے۔ اولیاء اللہ کو اللہ کی طرف سے ایسی قدرت حاصل ہے کہ وہ کمان سے نکلے ہوئے تیر کو راستے سے واپس پھیر لیتے ہیں[1]

یہ خدا کے محبوبوں کا وحدت کا راز ہے ع

گر در خانہ کس است حرف بس است

قرآن مجید بسم اللہ سے شروع ہوتا ہے اور والنّاس پر ختم ہوتا ہے

ب سے شروع، س پر ختم۔ ب س۔ بس

اللہ بس باقی ہوس ہے۔

---

[1] ترجمہ مثنوی مولانا روم رح

حکایت پیر چنگی

یہ پیر چنگی کی حکایت حضرت مولانا روم صاحبؒ نے بیان فرمائی ہے کہ جو کام کیا جائے محض اللہ واسطے کیا جائے۔ غیر کا دخل نہ ہو۔ یہ وحدت کے راز ہیں۔ سمجھنے کی بات ہے۔ کہنا نہیں۔ دوسرے یہ کہ عارف پر صفاتِ جلال و جمال بدلتی رہتی ہیں۔

" تو نے یہ سنا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایک بوڑھا گویا چنگی نام بڑے کرّ و فر سے رہا کرتا تھا۔ اس کی آواز ایسی اچھی تھی کہ جسے بلبل بھی سن کر بیخود ہو جائے۔ اور اس کی ایک آواز خوش سن کر سینکڑوں آدمی جمع ہو جاتے تھے۔ اور اس کے دم سے ایک بڑی مجلس و مجمع آراستہ ہو جاتا تھا۔ اس کی آواز ایک قیامت سی برپا کر دیتی تھی۔ وہ حضرت اسرافیلؑ کی طرح اپنی خوش لحنی کے فن سے مردہ جسموں میں جان سی ڈال دیتا تھا۔

ہاں! اسی طرح اولیاء اللہ بھی اپنے زمانے کے اسرافیل ہوتے ہیں۔ وہ اپنی قوت باطنی سے مردوں کو جلاتے ہیں۔ اور نشو و نما پیدا کرتے ہیں۔ چونکہ لوگوں کی جانیں ان کی قبر کی طرح جسموں میں مردہ ہوتی ہیں۔ اور ان کی آواز کفن میں جدّ و جہد کرنے لگتی ہے۔ وہ کہتے ہیں یہ آواز تو الگ ہی ہے۔ کیونکہ زندہ کرنا تو خدا تعالیٰ کی آواز کا کام ہے۔ ہم بالکل مردہ اور گشتہ ہوتے ہیں۔ جب آوازِ حق آتی ہے۔ تو سب اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ حق کی آواز پردہ کے اندر بغیر آواز کے ہوتی ہے۔ اور وہ مریم کو مخفی راز کا پتہ دیتی ہے۔ لے وہ کہ جنہوں نے اپنی جان پاک جسم کے اندر فنا کر دی ہے مثل " مر جاؤ اپنے مرنے سے پہلے " پھر وہ دوست کی آواز بن کر عدم سے واپس آتی ہے۔ پھر بالکل خود ان کی آواز اس شاہِ حقیقی کی آواز ہوتی ہے۔ اگرچہ وہ اللہ کے بندہ کی زبان و حلق سے نکلتی ہے۔ مگر وہ آوازِ حق ہی ہوتی ہے۔ کیونکہ حق تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ کہ میں اس کی زبان و چشم بن جاتا ہوں۔ اور میں ہی تیرے حواس اور رضا و غصّہ بن جاتا ہوں۔ تو جا کہ تو اس سے سنتا ہے اور اس سے دیکھتا ہے تو ہی راز ہے۔ اور بلکہ تو ہی صاحب اسرار رموز ہے۔

القصّہ وہ گویّا جس کی آواز سے ایک جہان خوشی سے معمور ہوجاتا تھا اور جس کی آواز سن کر عجیب و دلچسپ تخیّل پیدا ہوتے تھے اور جس کی خوش نوائی سن کر دلوں کے پرندے اڑنے لگتے تھے اور جس کی صدائے دلفریب سے زندگی کی ہوس حیران ہوجاتی تھی۔ جب اس کا زمانہ آخر ہوا اور وہ بوڑھا اور ضعیف ہوگیا۔ اور پھر اس کی جان ضعف و کمزوری سے سہارا ڈھونڈنے لگی۔ اور اس کی کمر بھی مٹکے کی طرح خم کھا کر جھک گئی۔ اور اس کی بھنویں اس کی آنکھوں پر سایہ کی طرح ہوگئیں چونکہ وہ مطرب (قوّال) بہت زیادہ عمر رسیدہ ہوگیا تھا۔ اور بغیر اپنے پیشہ کے روٹی کے ایک ایک ٹکڑہ کو محتاج تھا، اس نے اپنے دل میں خیال کیا کہ مجھ کو لمبی عمر نے کافی مہلت دی تھی۔ مگر اللہ کو میں بھولا رہا۔ اب اے خدا تو مجھ پر جو ایک تنکے کی مثال ہے اپنا لطف و کرم فرما۔ اگرچہ میں نے ستّر سال گنہگاری میں گذارے مگر ایک دن بھی تو نے اپنی مہربانی سے مجھ کو نہیں پکڑا۔ اب جبکہ میں محتاج اور بے کار ہوگیا ہوں۔ اب میں تیرے لئے اپنا چنگ (باجا) و راگ بجاتا ہوں کیونکہ میں تیرا ہی ہوں یہ کہہ کر اس نے اپنا چنگ اٹھایا اور تلاشِ حق کیلئے قبرستان مدینہ شریف میں آہ بھرتا ہوا چلا گیا۔ اس نے وہاں پھر یہ عرض کی کہ میں حق تعالےٰ سے مہربانی کی امید رکھتا ہوں جو کہ کھوٹوں کو نیکی سے قبول فرماتا ہے۔ پھر اس نے خوب اپنا چنگ بجایا۔ اور سجدہ میں سر رکھ کر خوب گریہ وزاری کی۔ اس کے بعد وہ اپنا باجا سرہانے رکھ کر ایک قبر کے پاس لیٹ گیا۔ اسی حالت میں وہ سو گیا۔ اور اس کی جان کا پرندہ قید سے رہائی پاکر اڑ گیا۔ اور وہ جہان روشن سے آزاد ہوگیا۔ اور صحرائے جان (عالم بالا) میں چلا گیا۔"[1]

حضرت مولانا رومؒ نے توحید، فنا و بقا اور خدا کا راستہ سمجھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے کیسی پیاری باتیں ہیں جو حکایتوں کی صورت میں بیان کر دی ہیں۔ ہر لفظ اور ہر حرف میں ایک نیا ہی راز اور بیان ہے۔ مگر سمجھنے اور عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ عام لوگ تو اسے نہیں سمجھیں گے۔ یہ صرف خواص کے لئے ہے۔

"اس وقت حق تعالےٰ نے حضرت عمرؓ کو خواب میں ڈالا" تاکہ وہ خود کو خواب کے سوا چارہ نہ

[1] ترجمہ مثنوی رومی

رکھیں۔ اس میں عجیب بات ہے کہ یہ کوئی قاعدہ نہیں ہے اور یہ غیبی بات بے وجہ و مقصد ہرگز نہیں ہے۔ جبکہ انہوں نے اپنا سر مبارک بستر پر رکھا تو یہ خواب دیکھا کہ ندائے حق آئی اور انکی روح نے اس کو سُنا۔ یہ آواز جو ہر صدا و آواز کی اصل ہے، خود ندا، آواز یہی ہے۔ باقی سب کچھ صدا خیال ہی ہے۔ ترک بجائے یا فارسی یا عربی ہو، کوئی بھی ہو مگر اس ندائے حق کو ہر کوئی بے لب و گوش کے سنتا ہے، خواہ اپنی جگہ ترک و تاجیک ہو یا زنگی و حبشی ہو۔ اس آواز غیبی کو تو لکڑی اور پتھر بھی سمجھتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کو خاص کر یہ آواز آئی کہ اے عمرؓ! ہمارے ایک بندہ کو ایک تکلیف میں ضرورت ہوئی ہے۔ اور ہم اس کو نہایت خاص و محترم سمجھتے ہیں۔ لہذا اب تم قبرستان کی طرف قدم رنجہ فرماؤ اور بیت المال کے خزانہ سے تم سات سو دینار (اشرفیاں) اپنے ہاتھ میں لو اور اس کے پاس جاؤ کیونکہ ہم نے تم کو مختار بنایا ہے۔ تم اس قدر روپیہ لو اور اس کو معذور سمجھو اور اتنا پوشش بہار (اس کے خرچ وغیرہ) کیلئے کافی ہے۔ جتنا اسے خرچ کی ضرورت ہو تم خرچ کرو۔

پس حضرت عمرؓ اس آواز حق کی ہیبت سے اٹھ بیٹھے۔ تاکہ اپنے تئیں اس مبارک خدمت میں لگائیں۔ آخر کار حضرت عمرؓ اس قبرستان کی طرف روانہ ہوئے۔ انکی بغل میں تو اشرفیوں کی تھیلی دبی تھی اور وہ اس کی تلاش میں سرگرم رفتار تھے۔ وہ قبرستان کے گرد بہت دوڑے اور پھرے مگر سوائے اس بوڑھے مطرب چنگی کے انہوں نے وہاں کسی اور کو نہ پایا۔ انہوں نے کہا یہ وہ نہیں ہو سکتا۔ پھر تلاش میں دوڑے یہاں تک کہ وہ تھک کر پریشان ہو گئے مگر انہوں نے سوائے اس ضعیف کے اور کسی کو نہیں دیکھا۔ پھر اپنے دل میں کہنے لگے کہ حق تعالےٰ نے تو یہ فرمایا ہے کہ وہ میرا خاص بندہ ہے اور وہ صاف باطن و شائستہ ہے اور مبارک ہے۔ مگر یہ پیر چنگی جو ایک ادنےٰ مطرب ہے یہ کب خاصان خدا میں سے ہو سکتا ہے۔

واہ واہ! سبحان اللہ! اللہ تعالےٰ کے راز پنہاں بھی عجیب ہیں۔ یہ کہہ کر وہ پھر قبرستان میں اردگرد ڈھونڈنے پھرنے لگے۔ اسی طرح جیسے شکاری جنگل میں سیر و شکار میں سرگرداں پھرا

کرتے ہیں۔ جب ان کو یہ یقین ہو گیا کہ سوائے مرد ضعیف کے اور کوئی نہیں ہے تو فرمانے لگے کہ تاریکی کے پردہ میں بھی بہت سے دل روشن ہوتے ہیں۔ یعنی ظاہر خراب اور باطن آراستہ ہوتا ہے اور پھر نہایت ادب و احترام کے ساتھ اس کے پاس آکر کھڑے ہو گئے۔ حضرت عمرؓ پر پھر تو حیرت و استعجاب چھایا ہوا تھا۔ ان کو چھینک آئی اور وہ بوڑھا اٹھ گیا۔ جب آپؓ کو اس نے دیکھا تو آپ کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اس نے آپؓ کو دیکھ کر وہاں سے بھاگ جانے کا ارادہ کیا۔ اور خوف سے لرزنے لگا۔ اس نے اپنے دل میں کہا، اے خدا! میں تجھ سے ہی انصاف چاہتا ہوں کہ مجھ ضعیف اور ناتواں پر بوجھ گراں کیوں ہیں۔ جب آپؓ نے اس بوڑھے کی صورت کو دیکھا تو وہ بہت شرمندہ اور زرد رُخ ہو رہا تھا۔ حضرتؓ نے اس سے فرمایا کہ تو مجھ سے مت خوف کر، میں خاص تجھ کو حق تعالیٰ کی طرف سے خوشخبری (بشارت) دینے آیا ہوں۔ ایزد تعالیٰ نے مجھ سے تیری تعریف فرمائی ہے۔ جس کی وجہ سے میں تیری صورت کا عاشق ہوں۔ تو میرے سامنے بیٹھ اور مجھ سے دور مت ہو تاکہ میں تجھ سے قبولیت کا راز بیان کروں حق تعالیٰ نے تجھ کو سلام کہا ہے اور تیری پرسش فرمائی ہے۔ کیونکہ تو کسی طرح رنج و غم سے پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ تاکہ تیرا بہت سا قرضہ اتر جائے۔ اب تو یہ لے۔ اس میں سے خرچ کر اور پھر یہاں آئیو۔

اس مرد ضعیف نے جب یہ سنا تو وہ کانپنے لگا۔ اس نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور ان کو ہلانے اور چیخنے لگا کہ اے خدائے بینظیر۔ اور آخر کار وہ بوڑھا شرم و ندامت کی وجہ سے پانی پانی ہو گیا۔ جب وہ بہت رویا، اس کا درد و رنج حد سے گذر گیا۔ تو اس نے اپنا چنگ زمین پر رکھ دیا اور یہ کہنے لگا کہ اے خدائے کریم مجھ کو تجھ سے شرم آتی ہے، اب تو مجھ کو شاہراہ ہدایت پر چلا۔ اے کہ میں نے اپنا خون غفلت کی وجہ سے ستر برس تک پیا ہے، اور میں تیرے سامنے کمال رُوسیاہ آیا ہوں۔ اے خدا والے عطا یا وفا! تو مجھ پر رحم فرما اور میری گذری ہوئی عمر کی خطاؤں کو معاف فرما۔ اللہ تو ہر روز عمر عنایت کرتا ہے۔ مگر کوئی اس کی قدر و قیمت نہیں جانتا۔ میں نے اپنی عمر روز دم بدم خرچ کی ہے اور میں نے تمام درد و طرب اٹھانے میں اسے بسر کیا ہے۔ آہ! کیسی یاد راہ اور پردہ عراق، میرا تو اس [illegible] یاد کے ساتھ تلخ سانس نکلتا ہے۔ افسوس ہے اس آواز راگ کو اٹھانا اور روزی

کہا۔ میری تو دل کی کھیتی خشک ہوگئی ہے اور اب میرا دل بالکل مردہ ہوگیا ہے۔ افسوس! کیسی یہ چوبیس آوازیں (وقت) ہیں۔ قافلہ تو چلا گیا اور میں تنہا رہ گیا۔ اے خدا اس فریاد خواہ کی فریاد رس میں کسی دوسرے سے یہ داد نہیں چاہتا۔ مجھ جیسے گنہگار کو کوئی دنیا میں داد نہیں دے گا۔ دنیا میں میری عمر ستر سال کی ہوگئی ہے۔ میں اپنی داد کسی سے نہیں چاہتا سوائے اس کے جو مجھ سے بھی زیادہ میرے نزدیک تر ہے اگر میں دمبدم اس کے قریب ہو رہا ہوں۔ پس میں باہر دیکھتا ہوں جو یہ میرا سانس کم ہوتا ہے، بھلا تجھ جیسا وہ کون ہے جو میرا خیال کرے اور اپنی طرف نظر نہ کرے۔ اس کی طرف نگاہ کرے اسی طرح وگریہ وزاری اور نالہ و فریاد کرتا رہا۔ تو اس کے جرم چند سالہ کو بھلا کیا شمار کرے گا جبکہ وہ خود اس قدر شرمندہ اور عفو طلب تھا۔

چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اب تیرا رونا بھی تیری ہوشیاری اور حق رسی کی دلیل ہے۔ اس کے بعد وہ اس حالت سے چلا گیا اور وہ اپنی عذر و معافی سے استغراق کی طرف ہوگیا۔ اسکی ہوشیاری تو گذرے ہوئے واقعات کی یاد سے تھی۔ اور اب اسکے ماضی و مستقبل پر خدا تعالیٰ نے پردہ ڈال دیا تھا۔ چونکہ حضرت عمرؓ آئینہ اسرار تھے اور اس مرد پیر کی جان اندر سے بیزار تھی جیسے جان بغیر رونے اور ہنسنے کی تھی۔ اس کی وہ پہلی جان تو چلی گئی اور دوسری جان زندہ ہوگئی۔ اس کا باطن اس وقت حیرت میں آیا جبکہ وہ زمین و آسمان سے باہر ہوگیا۔ اسکی جستجو جستجو سے باہر تھی۔ میں تو نہیں جانتا، اگر تو جانتا ہے تو ذرا بیان کر۔ یہ حال و قال حال و قال سے باہر ہے اور خلاف ہے۔ پس وہ جمال حضرت ذوالجلال میں غرق ہوگیا تھا۔ چونکہ اس پیر مرد کا قصہ حال یہاں تک پہنچا تھا تو اس کی ضعیف و ناتواں جان نے اپنا چہرہ دریائے وحدت و اسرار میں کھینچ لیا۔ اس پیر مرد نے راز کی بات کہی اور اپنا دامن جھاڑا اور اس کی کہی ہوئی بات آدھی کی آدھی اسکے منہ میں رہ گئی۔ مردان طلب برسوں انتظار میں بسر کرتے ہیں۔ جب کہیں جا کر سو ہزار میں سے ایک یارِ صادق میسّر ہوتا ہے۔"[1]

یہ ہر درویش کی داستان ہے جو راہ حقیقت میں پیش آتی ہے۔

[1] ترجمہ مثنوی مولانا رومؒ

اقوالِ متفرق

۱ ۔ جب تک تجھ پر کسی مردِ کامل کی نظر نہیں پڑیگی اس وقت تک تو اپنے وجود کی خبر نہیں پائے گا۔
۲ ۔ عقل کی راہ سوائے پیچ و خم کے اور کچھ نہیں ہے۔ مگر اہل اللہ عارفوں کے پاس دل میں سوائے خدا تعالٰے کے اور کچھ نہیں ہے۔
۳ ۔ توحید کیا ہے، بس یہ کہ تو ظاہر و باطن میں وحدت ہی دیکھے۔
۴ ۔ چونکہ اس سے ہی سب کی ابتدا ہے بس اسی سے سب کی انتہا بھی ہوگی۔
۵ ۔ جبکہ دائیں بائیں سب راہیں اس کی ہی ہیں۔ سو تو جس راہ سے جائے گا اسی کی راہ ہوگی۔
۶ ۔ کون مارتا ہے یا مروا تا ہے۔ جبکہ اسی کی طرف تیرا جانا ہے۔ اسلئے اگر تیرا فکر و خیال دوسری طرف جائے تو بس جنون ہے۔
۷ ۔ مومن و نصاریٰ اور یہودی و آتش پرست اور کافر سب کا رخ اس سلطانِ فیض بخش ہی کی طرف ہے۔
۸ ۔ مومن اور یہود اور برے بھلے سب ہی کا احد کی طرف منہ ہے۔
۹ ۔ صورت بے صورتی سے نکلی ہے یعنی سب اشیاء عدم سے ہی نکلی ہیں۔ سب اسی کی طرف واپس چلی جائیں گی۔
۱۰ ۔ میں کچھ نہیں ہوں۔ جو کچھ ہے بس تو ہی ہے جب ایک ہی نہ ہو تو پھر دوئی کہاں ہوگی۔
۱۱ ۔ اے سرمدا تو کعبہ و دیر کی گفتگو مت کر اور وادیٔ شک میں گمراہوں کی طرح مارا مارا نہ پھر جا طریقۂ بندگی شیطان سے سیکھ اور صرف ایک ہی قبلہ پکڑ لے۔ دوسرے کی طرف سجدہ ریزی نہ کر۔ کفر و ایمان دونوں اس ذاتِ کبریا کے عاشق ہیں اور تانبا و چاندی اسی کیمیا کے بندے ہیں۔ ایک دن حضرت موسیٰؑ نے حق تعالٰے کے سامنے شکایت و فریاد کی اور آدھی رات کے وقت فرعون نے بھی رو کر جناب باری میں عرض کیا۔ چونکہ بے رنگی رنگ کی اسیر ہوگئی

ان دونوں میں جنگ چھڑ گئی۔ اگر تو بے رنگی تک رسائی حاصل کرے گا۔ تو موسیٰؑ کو بھی
فرعون کی طرح خیال کرے گا۔ یہ بھی عجیب ہے کہ یہ رنگ بے رنگی سے نکلے ہیں اور رنگ
کی بے رنگ سے جنگ ہے ؎

رنگ بے رنگی سے جب پیدا ہوا　　　　رنگ بے رنگی میں پھر جھگڑا ہے کیا

۱۲۔ جیسے پھول کانٹے سے ہے۔ کانٹا پھول سے پھر کس کے لئے ہر دو جنگ میں اور
اس حال میں مبتلا ہیں۔ یا تو یہ حکمت کیلئے ہے اور گدھے گھوڑے بیچنے والے سوداگروں کی
طرح سے ایک صفت ہے۔

۱۳۔ کعبہ بھی حضرت خلیل اللہ کا جو آذر کے بیٹے تھے۔ بنایا ہوا ایک مقام ہے مگر آدمی کا دل
اللہ جل شانہٗ کی گذرگاہ ہے۔ کعبہ شریف بھی اگرچہ اس کا ایک بڑا محترم گھر ہے مگر دل
خدائے تعالیٰ کے بھید اور اسرار کا گھر ہے جب تک اس گھر کے گرد وہ نہیں پھرتا۔ اس
کے اندر نہیں جاتا اور اس گھر کے اندر سوائے حی قیوم کے اور کوئی نہیں جاتا۔ اگر تو یہ جانتا
ہے کہ ہر دل کے اندر خدائے بزرگ و برتر ہے، تو تجھے ہر دل کی تعظیم و تکریم لازمی ہے۔

۱۴۔ مردانِ خدا خدا نہیں ہوتے لیکن وہ خدا تعالیٰ سے جدا بھی نہیں ہوتے۔ تو اپنے آپ
سے نیست ہو جا تاکہ نجات پائے۔ جبکہ تو اٹھ جائے گا تو حق تیری جگہ آ جائے گا۔

۱۵۔ ؎
اے شیخ چہ جوئی ز شب قدر نشانی
ہر شب شبِ قدر است اگر بدانی!!

ترجمہ: اے شیخ تو شب قدر کی نشانی کیا ڈھونڈتا ہے۔ ہر رات لیلۃ القدر ہے اگر تو جانے۔

۱۶۔ ؎
سرِّ وحدت منطق الطیر است جامی لب ببند
جز سلیمانے نشاید فہم ایں گفتار را

ترجمہ: وحدت کا بھید پرندوں کی بولی ہے۔ جامی خاموش رہ، سوائے حضرت سلیمانؑ کے اور کوئی اس
بات کو نہیں سمجھ سکتا۔

اے بیٹے! اِلَّا اَللّٰہ اِلَّا اللہ تو و شرک خفی ہے ۔ ہوش رکھ ، دھیان رکھ ، شرک جلی کیا ہے؟
رسول اللہ ۔ اپنے آپ کو ان دو شرکوں سے باہر لا ۔

عشق کو کافری کے ساتھ تعلق ہے ۔ اور کافری درویش کا مغز ہے ۔ نفی اثبات سے باہر ایک صحرا ہے کہ اس گروہ کو اس کے درمیان سودا ہے ۔ اے دوست جب عاشق اس جگہ پہنچے تو وہاں نہ نفی نہ اثبات بلکہ بال کی بھی جگہ نہیں ۔

۱۷ ۔ آنکھ کا فائدہ وہ ہے کہ دوست کو دیکھے ۔ اور اگر نہ دیکھے تو بینائی کا کیا فائدہ ہو ۔

۱۸ ۔ دل کو ہاتھ میں لا ۔ یہی طریقہ کافی ہے ۔

۱۹ ۔ انسان دراصل روح کا نام ہے

۲۰ ۔ خدا بیمثل بیمثال ہے ، چوں اور بیچگوں ہے ۔ چوں کو وہاں راستہ ہی نہیں ۔ چوں کی وہاں بو بھی نہیں ۔

۲۱ ۔ وَلَا ضِدَّ لَہٗ وَلَا نِدَّ لَہٗ لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللہ ۔ آپ بولے آپ بلائے ، اپنا جس اپنے منہ گاوے ہے

ے نَحْنُ اَقْرَبُ آپ کو کہندا ابھا لو ہیں پھر کس دا
اس وسے ڈیرے ہیں وچ تیرے پھریں لوڑا ؤ جس دا

آپ جانتے ہیں صورت سرمدی کیا ہے ۔ ہر آواز میں اللہ کی آواز ہے ۔

ے فریدا اگر چاہے تو وصل خدا
آنکھ کان مکھ بند کر پھر سن لے ذرا

نسبت سے چیز بدل جاتی ہے ۔ جس چیز کی نسبت انسان کرتا ہے اسی کے ساتھ ہوتا ہے خدا کی نسبت سے غیر بھول جاتا ہے ۔ درویش کا اطلاق بالکل بدل جاتا ہے ۔ مگر یہ کوئی کسب تدبیر سے کام نہیں ، یہ صرف وہبی چیز ہے جس پر ربی فضل ہو جائے ۔ ھٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ ۔

۲۲ ۔ روحانی روشنی کا راستہ ۔ مخلوق اور خالق کے درمیان فرق صرف اس کی زبان پر رہتا ہے ۔ نہ کہ اس کے دل میں ۔ خدا میں مل جانے کا مطلب یہی ہے ۔

CamScanner

۲۳ - ایک ہی حقیقت ہے، ہماری ہستی کا حقیقی علم، ظاہر اور باطن جو تمام حکمت کا نچوڑ ہے۔ (حدیث) تم اپنے آپ کو جانو گے تو خدا کو جان لوگے۔ یہ ذات ہی کا علم ہے جو خدا کے علم میں مل جاتا ہے [1]

آنکہ باشد بر زبانہا لا اُحِبُّ الاٰفِلِین　　　باقیاتُ الصّالحات است آنکہ در دل حاصل ست

ترجمہ: جو زبانوں پر ظہور رکھتا ہے - اس کے بارے میں یہ ہے "میں غروب اور غائب ہو جانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ اور جو دل میں ظہور رکھتا ہے - وہی ہمیشہ باقی رہنے والی نیکیوں کی حقیقت ہے "

۲۴ - نسبت ایک دھکھن جیسی حرارت کا نام ہے۔ جو کہ سالک کے قلب میں ذکر و شغل کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ اس سے یاد میں دوام پیدا ہوتا ہے۔ فرمایا کہ اخیر میں اگر یہ کیفیت کبھی بدن سے بالکل جاتی رہتی ہے۔ اور آدمی ویسے ہی رہ جاتا ہے جیسا کہ پہلے تھا۔

حقیقتِ ذکر

"ذکر لسانی صرف ایک ذریعہ ہے۔ مقصود ذہنی ہے۔ مقصود محض یاد ہے۔ اگر یاد نصیب ہو جائے تو ذکر لسانی چھڑا دیا جاتا ہے۔ مگر لقا کے بعد بھی ترقی عبادات ہی سے ہے۔ یعنی قرآن پاک کا پڑھنا، ذکر الٰہی کرنا۔ ترقی اس سے ہی ہوتی ہے، خاموش بیٹھنے اور محض تدبّر سے نہیں۔ فرمایا تصوّف ایک عشق ہے" [1]

قرآن پاک کا پڑھنا، ذکر الٰہی کرنا، خدا کا ہم صحبت ہونا، نماز پڑھنا، حضور ہونا، یہ ایک ہی بات ہے۔ یہ پانچ بنائے اسلام ایک صورت ہے۔ طریقت اس کی روح ہے ؎

ابجدِ عشقت چو بیاموختم　　　دیدہ ز اغیار فرو دوختم

ترجمہ: جب سے میں نے تیرے عشق کی ابجد سیکھی ہے، میں نے غیر کی طرف سے آنکھیں بند کر لی ہیں۔

ابجد سے مراد حروف مقطعات کا علم ہے اور ان لوگوں کو عنایت ہوتا ہے۔ یعنی قرآن یا خدا کے کلام کا مقصود توجہ الی اللہ ہے۔

۲۵ - زمین و آسمان ایک عبارت ہے معنی اس کا خدا ہے [2]

۲۶ - نہ ہندو سے لڑیں نہ گبر سے بیر کریں　　　شر سے بچیں اور شر کے عوض خیر کریں

[1] حضرت رائے پوری　[2] حضرت جنید بغدادی

جو کہتے ہیں یہ کہ ہے جہنم دنیا
وہ آئیں اور اس بہشت کی سیر کریں۔ (رحمانی)

لے اے فرزند! بیخودی کے مکتب میں پڑھنا شروع کر جب تک میاں کی الف ب نہیں پڑھے گا تب تک عاشقوں کے راز کو نہیں پائے گا۔

اے میرے فرزند! بس، نہ صالحین کے ساتھ رہ نہ زاہدوں کے ساتھ رہ، نہ اہل آخرت کے ساتھ نہ اہل دنیا کے ساتھ، بیخود ہو جا۔ دیوانہ بن جا۔ بیخودوں اور دیوانوں کے ساتھ رہ۔ خاک ہو جا اور خاک میں سے بن جا۔

سُن اے فرزند! نہ زاہد بن نہ صالح بن، نہ فاسق بن نہ آقا بن، نہ تاجر بن نہ امیر بن نہ فقیر بن۔ نہ دنیا کا بن نہ دین کا۔ اگر بننے تو یہ بن۔ کُنْ مَالَہٗ وَنَحْوَہٗ تیری موت و حیات سب اسی کے لئے ہے۔ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ اس مقام میں زیادہ قیل و قال وہی کرتا ہے۔ جو راز سے ناواقف ہوتا ہے۔

"تعال تعالیٰ یا نعیم میرا قلب، میری روح اور میرا راز تیری طرف ہے"ے

پیری مریدی کیا ہے

سنو اے فرزند! جتنی مرید کی ارادت اور عقیدت میں ترقی ہوتی جاتی ہے، اتنا ہی اس کے دل میں مرشد کے کمال اور جمال کا نور بڑھتا چلا جاتا ہے۔ یقیناً معرفت ازلی کی بنا پر مرشد اور مرید کے درمیان محبت پیدا ہوتی ہے اور پھر عشق و محبت کی چاشنی اپنا دیدار دکھاتی ہے۔ عاشق صادق مرید کے لئے مرشد کا جمال نور حق تعالیٰ کی تجلی بن جاتا ہے۔ اس وقت مرید پیر پرستی کا درجہ پاتا ہے۔ اسلئے کہتے ہیں کہ پیر پرست مرید خدا پرست سے بہتر ہے چونکہ پیر پرست حق تعالیٰ کے مشاہدہ میں رہتا ہے۔ اور حقیقت میں وہ خدا پرستی کرتا ہے۔ اور جو خدا پرستی کا دعویٰ دار ہے۔ وہ اپنے مشاہدہ میں مصروف اور اپنی ذات میں مشغول رہتا ہے۔ اور یہ خود پرستی ہے جو خدا پرستی سے دور ہے۔ مرشد سے جتنی زیادہ محبت ہوگی۔ اتنی ہی مرید کے کمال و جمال میں افزونی ہوگی۔

یہی مضمون اس روایت سے واضح ہوتا ہے کہ ایک بار حضور رسالتمآب ﷺ نے حضرت عمرؓ سے

لے مکتوب دربار نادری حضرت محی الدین گیلانی رح

پوچھا! اے عمرؓ! کیا تو ہمیں عزیز رکھتا ہے! کہا جی ہاں۔ پھر حضور رسول پاکؐ نے فرمایا۔ کیا ہمیں جان سے عزیز رکھتا ہے! حضرت عمرؓ راست گو تھے۔ راستی کے طریقہ پر جواب دیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آپ کو اپنی جان سے زیادہ عزیز نہیں رکھتا۔ جان سب سے زیادہ عزیز ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اے عمرؓ! تو جب تک مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز نہ جانے گا ایماندار نہ ہوگا۔ جب تک تو جان کو قربان نہ کرے گا۔ اور اپنے وجود کو درمیان سے نہ نکالدے گا۔ تب تک تیرا ہاتھ گوہر ایمان تک نہ پہنچے گا۔

اسی بنا پر کہنا درست ہے کہ پیر پرستی درحقیقت خدا پرستی ہے۔ اور پیر پرستی ہی سے ایمان کامل ہوتا ہے۔ اگر سو سال تک لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا جائے اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پر یقین نہ رکھے تو ہرگز مسلمان نہیں ہوتا"۔[1]

آیاتِ قرآنی

۱۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ۝

۲۔ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ ۝

۳۔ وَمَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ ۝

ترجمہ آیاتِ قرآنی

۱۔ اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولؐ پر۔

۲۔ تو کہدے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اطاعت کرو پھر اللہ تم سے محبت کرے گا۔

۳۔ اور جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

اگر کوئی سوال کرے کہ حضورؐ کے اصحاب حضورؐ پر عاشق تھے یا اللہ تعالیٰ پر؟ تو جواب یہ ہے کہ وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ پر عاشق تھے۔ نظر بر حقیقت لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ اور نظر بر مراتب مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔

[1] مکتوب دربار قادریہ، حضرت محی الدین گیلانی ذرہ

ے من تو شدم تو من شدی، من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نگوید آں زماں من دیگرم تو دیگری

ترجمہ:۔ میں تو ہو گیا تو میں ہو گیا۔ میں بدن ہو گیا تو جان ہو گیا۔ تاکہ اس وقت کوئی یہ نہ کہے کہ میں اور ہوں۔ تو اور ہے۔

پیر پرستی درحقیقت خدا پرستی ہے۔ حضرت عمرؓ خدا کے سچے عاشق تھے۔ اپنے دل میں انھوں نے غور کیا اور اپنے احوال کی درستی کی۔ اور آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کی۔ حضورؐ میں آپؐ کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں۔ اور ایک جان تو کیا چیز ہے۔ سو جانیں بھی آپ پر قربان ہیں۔

یہ عالم کون و فساد ہے۔ اسے نفسی جہان کہو یا کل اضداد۔ جب تک ختم نہ ہو یعنی توحید حاصل نہ ہو نجات نہیں ہوتی۔ کیونکہ افضل کلمہ توحید ہے ے

دوئی دور کرو کچھ ہور نہیں ۔۔۔ سب ساہد دسّن کوئی چور نہیں

خدا کو خدا ہی جانتا ہے، بغیر خدا کوئی نہیں۔

ے خوشتر آں باشد کہ سرِ دلبراں ۔۔۔ گفتہ آید در حدیث دیگراں!

ترجمہ:۔ بہت اچھا ہوگا کہ دوستوں کا بھید دوسروں کی بات سے کہا جائے۔ یعنی یہ لوگ اپنی بات کو دوسروں کی بات پر ڈال کر بیان کرتے ہیں۔

"شروع میں خود امام ربانی بھی وحدت الوجود کے قائل تھے۔ لیکن بعد میں آپ نے ابن عربی کے اس تصور وحدۃ الوجود کے خلاف آواز اٹھائی۔ اور یہ بتایا کہ کائنات میں جو وحدت ہمیں نظر آتی ہے۔ اس کا وجود اصلی سمجھنا غلطی ہے۔ وجود حقیقی تو اس سے بہت پرے ہے اور یہ کائنات اس کی تخلیق ہے۔ جب یہ کائنات موجود نہ تھی تو اس کا وجود تھا۔ اس لئے کائنات اور یہ وجود ایک نہیں ہو سکتے۔ ایک خالق ایک مخلوق، ایک معبود ہے اور دوسرا بندہ چنانچہ فرماتے ہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی وَرَاءُ الْوَرَاءِ ثُمَّ وَرَاءُ الْوَرَاءِ۔ یہ ہے عقیدہ

وحدۃ الشہود جو امام ربّانی نے ابن عربی کے عقیدہ وحدۃ الوجود کے رد میں پیش کیا۔ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود میں جو فرق ہے اس کو سمجھنے کے لئے مصنف کے اس بیان سے بڑی مدد ملے گی۔ موصوف نے دونوں کے رجحانات کو ایک نقشہ کی صورت میں پیش کیا ہے۔ نقشہ یہ ہے:۔

توحید وجودی	توحید شہودی
وحدۃ الوجود ہوالکل نظریہ ہمہ اوست یا اندر ہمہ اوست	وحدۃ الشہود ہوالباری نظریہ ہمہ از اوست
ارتقا خود بخود ہوتا ہے۔	ارتقا پیدا کیا جاتا ہے۔
رجحان تصوّف سکون کی طرف مائل۔	رجحان تصوّف جوشش کی طرف مائل
میں اور وہ جدا نہیں، وہ دریا تو میں قطرہ ہوں	اسکے ساتھ میں اور میرے ساتھ وہ ہے۔
وصل	عشق
حقیقت حق، حق، حق	حقیقت حسن اوّل۔ محبوب کل
اعتقاد میں کون۔ انا الحق۔ عارف	اعتقاد میں کون۔ اناعبدہٗ۔ عاشق

شاہ ولی اللہ ابن عربی اور امام ربانی دونوں سے مستفیض ہوئے۔ آپ کے نزدیک امام ربانی جس کو وحدۃ الشہود کہتے ہیں، یہ تصورِ توحید خود ابن عربی کے ہاں موجود ہے بیشک ابن عربی کے تصور سے جو غلط فہمیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ امام ربانی نے ان کی اصلاح فرمائی۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ابن عربی کا تصور وحدۃ الوجود غلط تھا۔ شاہ صاحب کے خیال میں خود ابن عربی بھی کائنات کو خالق کائنات کے مترادف نہیں سمجھتے۔ لیکن ان کا کہنا یہ ہے کہ آخر یہ کائنات جس وجود سے نکلی ہے وہ وجود اللہ کے ماسوا کوئی دوسرا وجود تو نہیں ہو سکتا۔ اس کائنات اور خالق کائنات میں کیا تعلق ہے۔ شاہ صاحب نے اس کو تجلی کے ذریعہ سے حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ تجلی کی حقیقت سمجھ لینے سے وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود

میں تعارض نہیں رہتا ۔"[1]

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں ؎

نے آں نے نواز پاکبازے | مرا از عشق و مستی آشنا کرد

ترجمہ :- اس پاکباز بانسری بجانے والے کی بانسری نے مجھے عشق اور مستی سے آگاہ کر دیا ہے ۔

علامہ اقبالؒ مرحوم دربارِ ایزدی میں عرض کرتے ہیں کہ یا اللہ قُمْ بِاِذْنِیْ اور انا الحق کہنے کے لئے ان کی کیا مجال ۔ شمسؒ اور منصورؒ کے منہ میں زبان تو ہی تو تھا ؎

جنہیں میں ڈھونڈتا تھا آسمانوں میں زمینوں میں
وہ نکلے میرے ظلمت خانۂ دل کے مکینوں میں

فِیْ قُلُوْبِهِمْ ۔۔۔ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ۔ ترجمہ :- اور اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کو احاطہ میں لئے ہوئے ہے ، گھیرے ہوئے ہے ۔ اور اللہ پاک کے احاطۂ ذاتی سے کوئی چیز بھی باہر نہیں ہے ۔ وہ ہر چیز کا احاطہ اسی طرح کئے ہوئے ہے جس طرح لوہا تلوار کا ، پیتل برتنوں کا ، سونا زیورات طلائی کا ۔ لکڑی میز کا ، کرسی تسبیح و مالا کا ، مٹی دیوار کا ۔ روئی کپڑے کا اور پانی برف کا احاطہ کئے ہوئے ہے ، گویا اَلْوُجُوْدُ وَاحِدٌ وَّ الظُّهُوْرُ مُخْتَلِفٌ ہے ۔ صرف اس لئے کہ میں پہچانا جاؤں ؎

خدا نے خلق کو بنایا ہوا ہے | خدا ہی کا چہرہ چمکتا ہے ہر سو
وہ ہر شے میں خادم سمایا ہوا ہے

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر | وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ

علامہ محمد اقبالؒ بھی دریائے وحدت کا تیراک ہے ۔

صفتِ مردِ مسلمان

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن | گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان

[1] مولانا عبیداللہ سندھیؒ صفحہ نمبر ۱۵۲

قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

ہمسایۂ جبریلِ امین بندۂ خاکی
ہے اس کا نشیمن نہ بخارا نہ بدخشاں

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

قدرت کے مقاصد کا عیار اس کے ارادے
دنیا میں بھی میزان قیامت میں بھی میزان

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفاں (اقبالؒ)

خدا کا تصوّر

ابن عربیؒ ذات خداوندی کے متعلق صرف اس کی جہت انتزاعی (عکس، ابھرنا، ابھر کھینچنا، اکھاڑنا) پر یقین رکھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ خدا نے تمام کائنات کو جو لفظ کن کہا تھا۔ وہ خود اپنی ذات کو مخاطب کر کے کہا تھا۔ اس کے سوا خارج میں کوئی ایسی چیز موجود نہیں تھی۔ جس کو مخاطب کر کے کچھ سے کچھ ہو جانے کے لئے حکم صادر کیا جاتا۔ اشیاء کا عدم خود ذات خداوندی کی ایک اندرونی کیفیت ہے نہ کہ خارجی حالت، دراصل خالق نے مخلوق کے اندر خود اپنے آپ کو جلوہ آرا بنایا۔ اور اسی لئے اصلِ شہود و شاہد و مشہود ایک ہے۔ اللہ اول بھی ہے اور آخر بھی ہے ظاہر بھی ہے اور باطن بھی ہے۔ جب اس نے اپنے جمال کا جلوہ دیکھنا چاہا تو کائنات کو، اور پھر انسان کو پیدا کیا۔ انسان کو اپنی صفات میں سے بہت سی صفتیں عطا فرمائیں۔ اور خود اپنے جمالِ جہاں آرا کو ملاحظہ فرمایا۔ اپنی ذات کو صفات کے ذریعے ظاہر کیا۔ اللہ کے اسمائے حسنیٰ انسانی صفات کی بنیاد بن گئے۔ اور آدمؑ و ابن آدمؑ کو زمین پر نیابت سونپ دی گئی۔ اس کو علم کے لحاظ سے فرشتوں پر سبقت دی گئی۔ ابن عربیؒ کہتے ہیں کہ خدا کا نہ آغاز ہے نہ انجام۔ ہم سب اسی سے وجود میں آئے ہیں۔ اور اسی میں واپس جذب ہو جائیں گے۔ اسی لئے وہی اوّل

اور وہی آخر ہے۔ (فصوص الحکم۔ فص الآدمیہ)

اللہ کا عرفان دو طرح کا ہے، ذاتی اور صفاتی۔ اس کی ذات کا عرفان حواس خمسہ سے ممکن نہیں، صفات کا عرفان ممکن ہے۔ انسان اللہ کی صفات کا آئینہ ہے، اور خود پر قیاس کرکے اللہ کی صفات و مخلوقات کو سمجھ سکتا ہے۔ لیکن حواس خمسہ کے علاوہ بھی ایک قوت ہے جو خالص روحانی ہے، اور ایک حالتِ استغراقی ہے جس کے ذریعہ تجلّیٔ ربانی ممکن ہے۔ اللہ کی صفات ریت کے ذرّوں کی طرح بےشمار ہیں۔ اس کی قوتوں کا احاطہ کرنا ممکن نہیں ہے۔ اگرچہ اس کی قوتیں اور اس کے نام ظاہر ہیں ایک دوسرے سے مختلف نظر آتے ہیں۔ مگر درحقیقت وہ مختلف نہیں ہیں، ایک ہی قوت کے مختلف مظہر اور مختلف نام ہیں۔ اللہ کا قہار ہونا بھی رحمت سے خالی نہیں ہے۔ اللہ بنیادی طور پر رحمٰن و رحیم ہے۔ اس کی دی ہوئی ہر سزا میں ایک جزا پوشیدہ ہوتی ہے۔

خدا کو سمجھنے کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے۔ کہ انسان خود اپنے آپ کو سمجھنے کی کوشش کرے جس نے خود کو سمجھ لیا وہ خدا کو بھی سمجھ لے گا۔ جس انسان کو یہاں کچھ نظر نہیں آتا اسے وہاں بھی کچھ نظر نہیں آئے گا۔ یعنی جس نے یہاں مظاہر قدرت میں خدا کو جلوہ گر نہیں دیکھا وہ وہاں بھی خدا کی تجلّی سے محروم رہے گا۔ (فصوص الحکم اردو)

حقیقی وجود صرف ذات خداوند ہے۔ ورنہ تمام اشیاء اور حقیقت اشیاء فریب ہیں خدا ہی ہر شے کی اصل ہے، خالق و مخلوق اصطلاحاتِ تشبیہی ہیں۔ ان کی استغراقی حیثیت کچھ نہیں ہے۔ ہر شے اعیان ثابتہ ہیں، اعیان ثابتہ حقیقت محمدیؐ ہیں۔ اور حقیقت محمدیؐ اللہ میں ضم ہو جائے گی۔ اور ایک دن یہ نہ رہے گا۔ کون و فساد ختم ہو جائے گا۔ جس طرح مختلف شیشوں میں ایک ہی شے کا عکس مختلف نظر آتا ہے۔ اسی طرح ایک ہی حقیقت کائنات کے مختلف درجوں اور دنیا کی مختلف شکلوں میں مختلف نظر آتی ہے۔ درآنحالیکہ مختلف نہیں ہے
ابن عربیؒ کہتے ہیں کہ اگر حضرت نوحؑ نے لوگوں کو وحدت میں کثرت اور کثرت میں وحدت

سمجھا دی ہوتی تو وہ ضرور ایمان لے آتے ۔ (نفس توجیہ)

اس وحدت و کثرت کے متعلق ابو سعید الخراز کا قول ہے کہ اگر جلووں میں اس قدر رنگا رنگی نہ ہوتی تو خدا کو پہچاننا مشکل ہو جاتا ۔ حقیقی معنوں میں وہی وہ ہے اور کچھ بھی نہیں ہے وہی واقعی سمیع و بصیر ہے ۔ ہماری قوت سمع و بصر فریب ہے ۔ تمام اشیاء کی حقیقت ایک ہے ۔ خود حقیقتِ خالق و مخلوق ایک ہے ۔ کثرت وہی ہے جو وحدت ہے ۔ اور وحدت وہی ہے جو کثرت ہے ۔ (فص ادریسیہ)[1]

وَلَا ضِدَّ لَهُ وَلَا نِدَّ لَهُ وَلَا حَدَّ لَهُ وَلَا مِثْلَ لَهُ وَلَا مِثَالَ لَهُ ۔

ترجمہ :۔ اور نہیں ہے ضد اس کے لئے اور نہ اس کیلئے ندا ہے ۔ اس کی نہ کوئی حد ہے اور نہ کوئی اس کا مثل ہے ۔ اور نہ کوئی اس کیلئے مثال ہے ۔

کیونکہ جھگڑا و فساد دو ہستی کا ہوتا ہے ۔ اگر ایک ہے تو پھر کوئی جھگڑا و فساد نہیں ۔ خوف اور غم سے آزاد ہوئے ۔ فاعل ، فعل مفعول ایک ہوئے ۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝

شیخ ابنِ عربی کے فلسفے کا خلاصہ

"شیخ اکبر کے سارے فلسفے کا نچوڑ یہ ہے کہ اس کائنات میں دوئی کوئی شے نہیں ہے کثرت صرف وحدت کی ایک تہمت ہے ۔ ورنہ سوائے خدا کی ذات کے اس کائنات کا خود کوئی وجود نہیں ۔ ہر شے ذات خداوندی کیلئے داخلی ہے نہ کہ خارجی ۔ خدا نے لفظ کن خود اپنی ہی ذات سے کہا تھا ۔ اور خارجی شے سے نہیں ۔ اس نے سب سے پہلے نور محمدی کو پیدا کیا ۔ پھر اس سے ساری کائنات خلق کی ۔ نور محمدی سب سے قدیم اور بحیثیت رسول سب سے آخر ۔ مخلوق میں وہ اول ترین اور افضل ترین ہیں ۔ وہ اس دنیا کے آخری تشریعی نبی بھی ہیں

۱ ۔ وجود بالذات صرف حق تعالیٰ ہے اس کے سوا جو کچھ ہے وہ وجود بالعرض ہے

[1] ابن عربی ، ابو مجاہد نیازی)

۲ ۔ وجود بمعنی الموجود صرف ذاتِ حق ہے ، باقی ہر وجود انتزاعی ہے ۔ ان کا وجود تو انضمامی بھی نہیں ہے ۔

۳ ۔ اسمائے الٰہیہ نیز ممکنات لا عین و لا غیر ہیں ۔

۴ ۔ اعیانِ ثابتہ ظاہر میں مخلوق ہیں اور باطن میں وہ ذہنِ خداوندی میں غیر فانی ہیں ۔

۵ ۔ اعیانِ ثابتہ اور حقائقِ اشیاء ظہورِ اسمائے الٰہی کے امکانات ہیں ۔ جن کو وجودِ خارجی کی ہوا تک نہیں لگی ۔

۶ ۔ کُن سے پہلے داخلی کیفیات ہیں اور کُن کے بعد خارجی مخلوقات ۔

۷ ۔ اعیانِ ثابتہ مخلوقات و حقائقِ کونیہ و طبائعِ ممکنات پر اسماء و صفاتِ الٰہیہ کی تجلی ہوتی ہے ۔ اور اس طرح مخلوقات و ممکنات وجود میں آتے ہیں ۔

۸ ۔ اعیانِ ثابتہ پر ویسی ہی تجلی ہوتی ہے جیسا کہ ان کا اقتضاء (یعنی خواہش کرنا)

۹ ۔ حقیقتِ کل پر تجلی کل اور حقیقتِ جزو پر تجلی جزوی ظاہر ہوتی ہے ۔

۱۰ ۔ اعیان و حقائق کا یہ پتہ نہیں چلایا جا سکتا کہ وہ ایسے یا ویسے کیوں ہیں ۔

۱۱ ۔ تقدیر در اصل وہ نظام العمل ہے جو اس دنیا میں ہونے والا ہے ۔

۱۲ ۔ ا ب سے پیدا ہوئی ، ب سے ج اور ج سے د ۔ تو یہ ایک طرح کا لوازمہ ہے نہ کہ جبر ۔

۱۳ ۔ وجودِ مطلق خیرِ مطلق ہے اور عدمِ محض شرِ محض ۔ وجودِ اضافی کے ساتھ عدمِ اضافی لگا رہتا ہے ۔

۱۴ ۔ عدم کوئی شے نہیں ہے اور اگر ہو تو وجود ہو جاتا ہے ۔ اسلئے عدم ممکن نہیں ۔

۱۵ ۔ وجودِ علمی کو ثبوت اور وجودِ خارجی کو وجود کہتے ہیں ۔ لہٰذا اعیانِ ثابتہ جو معلوماتِ حق ہیں ۔ خارج از وجود اور معدوم ہیں ۔

۱۶ ۔ عینِ ثابتہ کی استعدادِ کلی کے مطابق عینِ خارجی کی استعداد پیدا ہوتی ہے ۔

۱۷ ۔ خدا جو حی و قیوم اور محیط ہے ۔ ہر وقت مخلوق کی نگہبانی کرتا ہے ۔ اس کی مرضی کے بغیر کوئی شے ایک لمحہ بھی زندہ نہیں رہ سکتی ۔

۱۸ - ہر شئے کے دو تعین ہوتے ہیں - ایک تعین ذاتی جو کبھی نہیں بدلتا - اور دوسرا تعین صفاتی جو بدلتا رہتا ہے۔[لہ]

شیخ لقمان سرخسی کی مناجات

لقمان سرخسی نے کہا کہ "اے خدا میں بوڑھا ہوں - پریشان حال ہوں اور میں راستہ بھول گیا ہوں جب غلام بوڑھا ہو جاتا ہے - تو اسے خوش کر دیتے ہیں - اس کو آزادی کا پروانہ دے کر آزاد کر دیتے ہیں - اے بادشاہ! تیری اطاعت و بندگی میں میں نے اپنے بال برف کی طرح سفید کر لئے ہیں - میں نے بہت سی مصیبتیں جھیلیں ہیں - اب تو مجھے خوش کر دے - میں بوڑھا ہو گیا ہوں مجھے آزادی کا پروانہ دیدے - فرشتہ غیب نے آواز دی کہ اے خدا کے خاص بندے! جو شخص اس کی غلامی سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے - اس کی عقل اور تکالیف ختم ہو جاتی ہیں - (دیوانہ ہو جاتا ہے) ، تو ان دونوں چیزوں کو ترک کر دے اور اس راستہ پر قدم رکھ - اس نے کہا کہ اے خدا! میں تجھے ہمیشہ مانگتا رہتا ہوں مجھے عقل اور تکلیف کی ضرورت نہیں ہے - تیری ضرورت ہے - وہ تکلیف اور عقل سے آزاد ہو گیا - اور جنون میں ناچنے لگا - اس نے کہا کہ اب مجھے خبر نہیں کہ میں کیا ہوں - میں خدا کا غلام نہیں ہوں - تو پھر میں کیا چیز ہوں - میری اطاعت ختم ہو گئی - لیکن میری آزادی بھی جاتی رہی - اب مجھے خوشی و مصیبت کا بالکل احساس نہیں ہے - میں اگرچہ تمام صفات سے بالاتر ہو گیا ہوں - لیکن پھر بھی مجھ میں صفت باقی ہے - اگرچہ میں عارف ہوں لیکن مجھے معرفت حاصل نہیں ہوئی - اب مجھے یہ خبر نہیں کہ میں تو ہوں یا تو میں ہے - میں تجھ میں غائب ہو گیا ہوں - اب سوائے توحید کے کچھ اور چیز باقی نہیں رہی۔[لہ]

یہ مسئلہ سرِّ وحدت بھیدِ خداوندی ہے - بجز اولیاء اللہ و عزیزانِ درگاہِ خدا باقی تمام جہان تحقیق کے لطیفہ سے محجوب ہے - ہاں اللہ تعالےٰ جس پر رحم کرے -

---

لہ ابن عربی - ابو جاوید نیازی لہ شرح منطق الطیر

" جیسا کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حارثہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے متعلق پوچھا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ عَبْدٌ نَوَّرَ اللّٰهُ قَلْبَهٗ بِالْاِیْمَانِ یعنی وہ ایک بندہ ہے کہ جس کا دل نور ایمان سے یہاں تک منوّر ہے کہ اس کی تاثیر سے اس کا منہ قمر کی طرح روشن ہے اور اس طریقت کے بزرگوں میں سے ایک نے فرمایا ہے ؎

ضِیَاءُ الشَّمْسِ وَ الْقَمَرِ اِذَا اشْتَرَکَا
نَمُوْذَجٌ مِّنْ صَفَاءِ الْحُبِّ وَالتَّوْحِیْدِ اِذَا اشْتَبَکَا

ترجمہ۔ یعنی آفتاب اور چاند کا نور جب ایک دوسرے کے ساتھ ملتا ہے۔ تو محبت اور توحید صفائی کی مثل ہوگی جو ایک دوسرے کے ساتھ معجون ہوتی ہے۔

اس جگہ آفتاب اور چاند کے نور کی کیا حقیقت ہوگی۔ جس جگہ خداوند جبّار کی توحید اور محبّت کا نور ہوگا۔ یعنی آفتاب اور چاند کے نور کو خدا کی توحید کے ساتھ کوئی نسبت نہیں۔ مگر دنیا میں ان دو نوروں سے کوئی نور ظاہر تر نہیں اس لیے کہ آفتاب اور چاند کے نور کو آنکھ کا نور کمال ودلیل کے ساتھ نہیں دیکھ سکتا۔ جاننا چاہیئے کہ جس طرح آنکھ آسمان کے چاند اور سورج کے نور کو دیکھتی ہے۔ ویسے ہی دل معرفت اور توحید اور محبت کے نور کے ساتھ خاص رحمٰن کے عرش کو دیکھتا ہے۔ اور دنیا میں ہی عقبےٰ کی اطلاع حاصل کر لیتا ہے۔ اور اس طریقت کے تمام مشائخ کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ جب بندہ مقامات کی قید سے خلاصی اور احوال کی تیرگی سے خلاصی اور تغیّر اور تلوّن کے محل سے آزادی اور تمام عمدہ احوال کے ساتھ موصوف ہو جاتا ہے۔ تب وہ تمام اوصاف سے جدا ہوتا ہے۔ یعنی بندہ کے دل میں اپنی کوئی ایسی عمدہ صفت نہیں ہوتی۔ جو خاص طور پر اس کو دیکھے۔ اور اس کے ساتھ تعجب کرنے والا نہ ہو۔ اور اس کا حال عقول کے ادراک سے پوشیدہ ہووے اور اس کا گمان بھی گمانوں کے تصرّف سے پاک وصاف ہو۔ اور اس کی حاضری کو ذہاب یعنی جانا نہ ہو اور اس کے وجود یعنی ہستی کے اسباب نہ ہوں۔

لِاَنَّ الصَّفَا مَحْضُوْرٌ بِلَا ذِہَابٍ وَّ وُجُوْدٌ بِلَا اَسْبَابٍ یعنی تحقیق صفائی ایسے حضور کا نام ہے

کہ جس کو جانا نہیں اور نیز ایسے وجود کا نام ہے جو بلا اسباب ہو۔ اس لئے کہ جو وجود حاضر ہوتا ہے۔ اور غائب نہیں ہوتا۔ بغیر سبب کے پایا جاتا ہے۔ یا دریافت بے علّت ہوتی ہے اس لئے کہ جس حاضری پر پوشیدہ ہونا صورت پذیر ہو وہ حضور نہیں اور جس کے لئے سبب پائے جانے کا وجد یعنی پایا جانا ہو اور وہ خود وجدان میں آجائے۔ وہ واحد نہیں ہوگا۔ اور جب اس درجہ میں پہنچے گا۔ تو لامحالہ اس کے نزدیک سونا اور ڈھیلا ایک جیسا ہوگا۔ اور وہ جو مخلوقات پر احکامِ تکلیف کی بجاآوری اور حفاظت مشکل تھی۔ اس پر آسان ہو جائے گی۔ جیسا کہ حارثؓ رسول خداؐ کی خدمت میں آیا۔ اور رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا۔

كَيْفَ أَصْبَحْتَ يَا حَارِثَةُ، قَالَ أَصْبَحْتُ مُؤْمِنًا بِاللّٰهِ حَقًّا، فَقَالَ انْظُرْ مَا تَقُوْلُ يَا حَارِثَةُ إِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ حَقِيْقَةً فَمَا حَقِيْقَةُ إِيْمَانِكَ فَقَالَ عَرَفْتُ نَفْسِيْ عَنِ الدُّنْيَا فَاسْتَوٰى عِنْدِيْ حَجَرُهَا وَذَهَبُهَا وَفِضَّتُهَا وَمَدَرُهَا فَاَسْهَرْتُ لَيْلِيْ وَأَظْمَأْتُ نَهَارِيْ حَتّٰى صِرْتُ كَأَنِّيْ أَنْظُرُ إِلٰى أَهْلِ الْجَنَّةِ يَتَزَاوَرُوْنَ فِيْهَا وَكَأَنِّيْ أَنْظُرُ إِلٰى أَهْلِ النَّارِ يَتَصَارَعُوْنَ وَفِيْ رِوَايَةٍ يَتَعَادَوْنَ۔ ترجمہ: اے حارثؓ تو نے صبح کس طرح کی؟ عرض کی کہ میں نے صبح حقانی مومن ہونے کی حالت میں کی۔ پھر حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ اے حارثؓ! تو اچھی طرح خیال کر کہ تو کیا کہہ رہا ہے۔ تحقیق ہر شے کیلئے ایک حقیقت اور برہان ہوتا ہے۔ سو تیرے ایمان کا اور برہان اور حقیقت کیا ہے؟ اس نے عرض کی کہ میں نے اپنے آپ کو دنیا سے علیحدہ کر لیا ہے۔ اس کی نشانی یہ ہے کہ سونا اور پتھر اور ڈھیلا اور چاندی سب کے سب میرے نزدیک یکساں ہیں۔ پس رات کو جاگتا ہوں اور دن کو پیاس سے رہتا ہوں۔ یہاں تک کہ میں ایسا ہوا۔ گویا کہ میں دیکھ رہا ہوں اپنے پروردگار کے عرش کو ظاہر۔ اور گویا کہ میں دیکھ رہا ہوں اہلِ جنت کو جنت میں کہ ایک دوسرے کی زیارت کر رہے ہیں۔ اور گویا کہ میں دوزخیوں کو آپس میں کشتی کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آپس میں انہیں دوڑتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ فَالْزَمْ فَالْزَمْهَا ثَلٰثًا۔ اے حارثہؓ! تو نے شناخت کر لی ہے اب لازمت کر اس بات پر کہ سوا اس کے اور کوئی بات نہیں۔[1]

[1] کشف المحجوب

جب تقلیدی ایمان سے تحقیقی ایمان آجاتا ہے تو سونا اور مٹی ایک جیسا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ صرف ذات واحد کو دیکھتا ہے۔ یہ ایک درویش پر توحید کی منزل آتی ہے۔ فنا و بقا کے بعد پھر شریعت میں واپس آجاتا ہے۔ پس اس معنی سے خاموش رہنا بولنے سے زیادہ درجہ رکھتا ہے۔ کیونکہ خاموش رہنا مشاہدہ کی علامت ہوتی ہے۔ اور نطق یعنی گویائی بھی مشاہدہ کا نشان ہے۔

" اور بہت فرق ہے درمیان مشاہدہ ایک چیز کے اور درمیان ایک شے کے شہادت دینے کے۔ اور یہ اس لئے ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالےٰ نے محل اعلیٰ اور درجہ قرب سے مخصوص کیا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ لَا اُحْصِی ثَنَاءً عَلَیْكَ یعنی اے بار خدا میں تیری تعریف کا شمار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ آپ مشاہدہ میں تھے۔ اور مشاہدہ دوستی کے درجہ میں کمال اتحاد ہوتا ہے۔ اور اتحاد میں عبادت کرنا کمال بیگانگی ہوتی ہے۔ پھر فرمایا اَنْتَ كَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ یعنی تو وہی ہے کہ جیسے تو نے اپنی صفت کی ہے۔ یعنی اس جگہ آپ کا کہنا میرا کہنا ہے۔ اور آپ کی ثنا میری ثنا ہوتی ہے۔ اور میں اپنی زبان کو اس کا اہل نہیں جانتا کہ میرے حال کو بیان کرے اور نیز اپنے بیان کو بھی اس کا حقدار نہیں سمجھتا کہ میرے حال کو ظاہر کرے۔ اور ایک کہنے والا انہی معنوں میں کہتا ہے۔ ؎

تَمَنَّیْتُ مَنْ اَهْوٰی فَلَمَّا رَاَیْتُهٗ ؎ بُهِتُّ فَلَمْ اَمْلِكْ لِسَانًا وَّلَا طَرْفًا۔

ترجمہ: میں نے اپنے دوست کی خواہش کی۔ پس میں نے جب اس کو دیکھا تو ہکا بکا رہ گیا اور میں اپنی زبان اور حال کا مالک نہ رہا۔

یہ تمام احکام مشاہدہ کے ہیں جن کو میں نے تمامہٗ مختصر طور سے بیان کر دیا ہے۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِیْق۔

اگر در خانہ کس است، حرف بس است ؎[1]

[1] کشف المحجوب

مسئلہ سرِ وحدت کے بارے میں حضرت بابا بلھے شاہؒ کیا فرماتے ہیں ؎

کافی

منہ آئی بات نہ رہندی اے

جھوٹ آکھاں تاں کجھ بچدا اے — سچ آکھیاں بھانبڑ مچدا اے
جی دوہاں گلاں توں جھکدا اے — جھک جھک کے جیبھا کہندی اے

منہ آئی بات نہ رہندی اے

جے ظاہر کراں اسرار تائیں — وت بھل جاون تکرار تائیں
پھر مارن بلھے یار تائیں — ایتھے مخفی گل ہی سوہندی اے

منہ آئی بات نہ رہندی اے

بُلھا شوہ اساں تھیں وکھ نہیں — بن شوہ تھیں دوجا کجھ نہیں
پر ویکھن والی اکھ نہیں — تاہیں جان پئی دکھ سہندی اے

منہ آئی بات نہ رہندی اے

کافی کا ترجمہ

یعنی بات منہ پر آئی ہوئی نہیں رہتی اور نکل ہی جاتی ہے۔ اور علی الخصوص جب کہ عشق کا زور اور وحشت کا شور ہے۔ تو پھر زبان بے قابو ہو جاتی ہے۔ منہ پر آئی ہوئی بات نہیں رہتی۔ اور کیسے رہے کہ اس کو رتبۂ قربِ فرائض تیرا ہی دیا ہوا ہوتا ہے۔ اور تو ہی اس وقت میں متکلم اصلی ہے جس کی خبر مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح دی ہے۔ ھُوَ یَنْطِقُ عَلٰی لِسَانِ عُمَرؓ۔ پھر اسے تو نے عجب کھیل بنایا ہے کہ جھوٹ آکھاں تے تاں کجھ بچدا اے۔ یعنی اگر عام نافہموں کے روبرو یہ بات کہدوں کہ میں اور ہوں اور وہ اور ہیں۔ میں بھی ورائے ہستئ حق تعالیٰ کے ایک ہستی مستقل رکھتا ہوں۔ تو شور اور شر و فتنہ عوام سے بچتا ہوں سچ آکھاں تے بھانبڑ مچدا اے۔ یعنی اگر یہ بات کہدوں کہ جو کچھ ہے اسی کی ہستی کا ظہور ہے۔ اور میں اپنی ذات سے عدم محض لاشئے مطلق ہوں تو بھانبڑ مچدا اے۔ وہ اس سے یہ سمجھتے ہیں کہ اپنے تئیں خدا کہتا ہے۔ نعوذ باللہ

میں تھا ط اور اس سے شور و شر، فتنہ و فساد، شریعت اور طریقت میں اٹھتا ہے۔ وہ اپنی نافہمی سے اتنا نہیں سمجھتے کہ جب میں اپنی ذات سے عدم محض اور لا شیئی مطلق ہوں۔ تو پھر خدا کیسے ہو سکتا ہوں۔ اور عدم محض اور انقلاب کس طرح وجود سے ہو سکتا ہے۔ کہ انقلاب ماہیت محال ہے۔

بڑی مشکل درپیش ہے کہ جی دوہاں کہاں تو جھکڑا ہے۔ یعنی یہ بھی نہیں چاہتا کہ میں جھوٹ بولوں۔ اور اپنی ہستی مستقل سوائے ہستی حق کے بتاؤں۔ اور حقیقت الامر کہ جو یہ ہے۔ ایک ہی ہستی مطلق کا ظہور ہے۔ اور غیر اس کا عدم محض ہے چھپاؤں۔ اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ عوام میں شور و شر و فساد مچاؤں۔ مگر آخر کھٹک کھٹک کے جیسا کہندی اے۔ منہ آئی بات نہ رہندی اے۔ یعنی خواہ کچھ ہی ہو سچ بولنا چاہیے۔ اور جو بات منہ پر آئی ہے وہی کہیں ؎

ہستی تو بہ ہستی کر جز ذات تو نیست　　ما نیست بذات خود ولے ہست بتو

ترجمہ:۔ کوئی ہستی تیری ذات کے سوا نہیں ہے۔ ہم بذات خود نہیں ہیں مگر تیرے ساتھ۔

اگر میں ان اسرار کو جو مجھ پر ظاہر ہوتے ہیں ظاہر کردوں اور کشف و کرامات سے ان کو جو اس کی استعداد رکھتے ہیں اس معشوق حقیقی نور علیٰ نور کو دکھا دوں تو سب تکرار کو بھول جاویں۔ اور یونہی کہیں گے کہ تُو بہا سچ کہتا تھا۔ ہاں جو لوگ جنم کے اندھے ہوں گے۔ اور جن میں کچھ بھی استعداد اس نور حقیقی کو دیکھنے کی نہ ہوگی وہ اُلٹے یار کو مارنے آئیں گے پس تا وقتیکہ عقل ہے سر توحید کو مخفی طور سے اور پردے سے رکھنا ہی مناسب ہے البتہ جب شور عشق ہوتا ہے اور وحشت زور کرتی ہے تو منہ آئی بات نہ رہندی اے۔

ہم نے علم حقیقت اور معرفت کو عین الیقین سے پڑھا ہے اور اس میں ایک حرف حقیقی اور لفظ تحقیقی وجود ہی تحقیقی اور اصلی ہے اور سب جھگڑا اور بات فضول ہے۔ کتنی ہی باتیں بنا دیں اور کتنا ہی شور مچاویں اور کسی کا وجودِ حقیقی ثابت نہیں رہتا ہے ؎

تا چند حدیث جسم و ابعاد و جہات　　تا کے سخن معدن و حیوان و نبات
یک ذات فقط بود محقق نہ ذوات　　ایں کثرت و ہمی ز شیون است و صفات (جامیؒ)

ترجمہ رباعی جامیؒ۔ کب تک جسم، ابعاد اور اطراف کا ذکر رہے گا۔ اور کب تک معدنیات، جمادات، حیوانات اور نباتات کی باتیں کرتے رہو گے۔ نہ کوئی محقق تھا۔ اور نہ ذاتیں۔ بلکہ صرف ایک ذات تھی۔ اور یہ وہمی کثرت اسی ذات کی شانیں اور صفات ہیں۔

یعنی اے بلہا! شوہ یعنی معشوق حقیقی ہمارا ہم سے جدا نہیں ہے۔ یہ نہیں کہ ہماری ہستی مستقل اور ہے اور اس کی ہستی مستقل اور۔ بلکہ یہ بات ہے کہ ہماری ذات عدم مطلق اور اس کی ذات وجود مطلق ہے اور جو کچھ ظہور میں ہے اسی کے نور علم اور نور وجود کا ظہور ہے۔ جو نورٌ علیٰ نور ہے۔ پس جو کچھ تیری نظر میں آئے اس کو معشوق حقیقی کا جلوہ جان ؎

ہر چہ بینی یار است اغیار نیست　　غیر او جز وہم و جز پندار نیست

ترجمہ:۔ جو کچھ تو دیکھتا ہے وہ یار ہے غیر نہیں ہے۔ اس کا غیر سوائے وہم و گمان کے نہیں ہے۔ مگر کیا کیا جائے کہ اس کے لئے دیکھنے والی آنکھ نہیں ہے۔ خواہشات نفسانی میں گرفتار ہونے کے باعث چشم بصیرت میں مرض موتیا بند ہو گیا ہے ؎

ہر جمال "ہُوَ مَعَکُمْ" جلوہ ہا است　　لیک ہر کس لائق دیدار نیست

ترجمہ:۔ ہر جمال "وہ تمہارے ساتھ ہے" کا جلوہ ہے۔ مگر ہر آدمی دیدار کے لائق نہیں ہے۔ اس وجہ سے جان جدائی کا دکھ سہتی ہے۔ اور اس یار حقیقی سے جدا ہو رہتی ہے۔ نہیں تو اس سے جدا نہیں ہے۔ اندھے ہونے کی وجہ سے اس کے جمالِ جہاں فروز کے دیدار سے محرومی ہے۔ فَمَنْ کَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى۔

ہک الف پڑھو چھٹکارا اے۔

یعنی ایک الف کے پڑھنے سے چھٹکارا ہے۔ کونسا الف! جو وجود مطلق ہے۔ نہ وہ الف جو تختی پر سب حرفوں سے پہلے لکھا جاتا ہے۔ کہ وہ مقیّد ہوتا ہے۔ نیز الف کا ایک عدد ہے۔ اس ایک سے دو، تین، چار، بلکہ ہزاروں لاکھوں، کروڑوں اور بے شمار ہو گئے ہیں یعنی دو اور تین، چار اور ہزار لاکھ اور کروڑ میں وہی ایک ہے۔ دوسرا کوئی نہیں ہے۔ کس لئے کہ دو ایک کے دو بار ہونے کو اور تین ایک کے تین بار ہونے کو اور چار ایک کے چار بار ہونے کو کہتے ہیں۔ یہ بیان اس طرح سمجھ میں آسکتا ہے۔ فرض کیجئے کہ ایک شخص ناخواندہ ہے۔ اس نے دو روپے کسی کو دیئے اور دیوار پہ اس نے دو لکیریں اس طرح کر لیں (۱۱) پھر تین روپے دیئے تو تین لکیریں اس

طرح کرلیں (۱۱۱) پھر چار روپے دیئے تو چار لکیریں اس طرح کرلیں (۱۱۱۱) دیکھو ان سب میں ایک ہی ہے۔ کسی نے اس کا اختصار اس کو بتایا کہا کہ دو کے عدد کو شکل (۲) میں اور تین کے عدد کو شکل (۳) میں اور چار کے عدد کو شکل (۴) میں بناؤ۔ اور دیکھو یہ ہندسہ بھی اپنی شکل میں ایک ہی ہے۔

(قانونِ عشق، مولانا حافظ انور علی رہتکیؒ)

جس شخص کو کثرت میں وحدت اور وحدت میں کثرت معلوم ہو وہ توحیدی ہوتا ہے۔ صرف زبان کے اقرار سے توحیدی نہیں ہوتا۔

توحیدی تو صاحبِ دل اور اہلِ بصیرت ہوتا ہے۔ اس کا سینہ کھل جاتا ہے اسے علمِ لدّنی حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ میرے پیر و مرشد حضرت نبی بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ، میرے ہادی حضرت بابا بُلّھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ اور جیسا کہ میرے پیر بھائی جناب مولینا مولوی حافظ محمد انور علی رہتکیؒ مرحوم و مغفور ہیں۔

کلمہ طیّبہ کا معنی

کہتے ہیں کہ ایک فرقہ ظاہریہ ہے جو وحدت وجود کو نہیں جانتا اور دھوکہ دہی غفلت عزیزی ہے، ہر شے کو دوسرے کا غیر حقیقی جانتا ہے۔ فی الحقیقت لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ نہیں کہتا۔

اور ایک فرقہ باطنیہ ہے جو وحدت الوجود میں یہاں تک غرق ہے کہ حفظِ مراتب نہیں رکھتا۔ قولاً و فعلاً اپنی سمجھ ناقص اور خیالِ خام سے ہر شے کو خدا ہی کہتا ہے۔ وہ فی الواقع، مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ نہیں کہتا۔ کلمہ طیّبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ دونوں خرابیوں سے نکالتا ہے۔ یعنی بواطنِ اشیاء میں وحدت و ظواہرِ اشیاء میں کثرت ثابت کراتا ہے۔ اور عارف مقتدا وہی ہے جو وحدت کو بواطنِ اشیاء میں اور کثرت کو ظواہرِ اشیاء میں ثابت کرے۔ جیسے

حضرت شاہ کلیم اللہ جہان آبادی چشتی قدس سرہٗ "سواء السبیل" کے مرحلہ چہارم میں فرماتے ہیں:۔ اَلنَّاسُ اِمَّا مَحْجُوْبُوْنَ وَلَا یَرَوْنَ اِلَّا الْکَثْرَۃَ وَالْغَیْرِیَّۃَ یعنی لوگ یا تو محجوبون ہیں جو سوائے کثرت اور غیریّت کے اور کچھ نہیں دیکھتے۔ وَاِمَّا مَجْذُوْبُوْنَ فَلَا یَرَوْنَ اِلَّا الْوَحْدَۃَ وَالْعَیْنِیَّۃَ۔ یعنی مجذوبین ہیں جو سوائے وحدت اور عینیّت اور کچھ نہیں دیکھتے۔ فَھُمَا لَا یَصْلُحَانِ لِلْاِقْتِدَاءِ بِھِمَا۔ پس یہ دونوں فرقے اقتدا کی صلاحیّت نہیں رکھتے۔ لِاَنَّھُمَا مَحْجُوْبُوْنَ بِظُلْمَۃِ الْکَثْرَۃِ اَوْ بِنُوْرَۃِ الْوَحْدَۃِ کیونکہ یہ دونوں محجوب ہیں پہلا فرقہ تو ظلمت کفر سے محجوب ہے اور دوسرا نور وحدت سے محجوب ہے۔ وَالْعَارِفُ الْمُقْتَدَا ھُوَ الَّذِیْ جَمَعَ الطَّوْرَیْنِ۔ اور عارف مقتدا وہ ہے جو دونوں طوروں کو جمع کرتا ہے۔ فَیُثْبِتُ الْوَحْدَۃَ فِیْ بَوَاطِنِ الْاَشْیَاءِ وَیُثْبِتُ الْکَثْرَۃَ فِیْ ظَوَاھِرِھَا۔ کہ وہ وحدت کو بواطن اشیاء میں اور کثرت کو ظواہر اشیاء میں ثابت کرتا ہے۔ فَعَیْنُ وَحْدَتِہٖ مَفْتُوْحَۃٌ مَعَ عَیْنِ کَثْرَتِہٖ وَکَذَا الْعَکْسُ۔ پس اس کی وحدت کی آنکھ کثرت کی آنکھ کے ساتھ کھلی ہوئی ہے۔ اور ایسے ہی کثرت کی آنکھ وحدت کی آنکھ کے ساتھ کھلی ہوئی ہوتی ہے۔ فَیُثْبِتُ الرَّبُوْبِیَّۃَ وَالْعُبُوْدِیَّۃَ وَالْغَیْرِیَّۃَ فِی الْبَوَاطِنِ وَالظَّوَاھِرِ پس وہ ربوبیّت کو بھی اور عبودیّت کو بھی، عینیّت کو بھی غیریّت کو بھی بواطن اور ظواہر میں ثابت کرتا ہے۔ وَلَا یَطْمِسُ اَحْکَامَھَا۔ اور ان کے حکموں کو نہیں مٹاتا۔ فَالْمُمْکِنَاتُ عَیْنُہٗ حَقِیْقَۃً وَغَیْرُہٗ اِعْتِبَارًا پس ممکنات عین اس کے حقیقتاً اور غیر اس کے اعتباراً ہیں۔ فَمِنْ حَیْثُ التَّعَیُّنَاتُ الْغَیْرِیَّۃُ وَمِنْ حَیْثُ الْحَقِیْقَۃِ الْعَیْنِیَّۃُ مُحَقَّقَۃٌ۔ پس تعیّنات کی حیثیت غیر مسلوبہ ہے۔ اور حقیقت کی حیثیت سے عینیّت محقق ہے۔ فَالْمُمْکِنَاتُ بِجَمِیْعِ الْوُجُوْہِ لَا عَیْنُہٗ وَلَا غَیْرُہٗ۔ اور ممکنات بجمیع الوجوہ نہ اس کا عین ہیں نہ اس کا غیر ہیں۔ کَمَا اَنَّ زَیْدًا عَیْنُ الْاِنْسَانِ حَقِیْقَۃً وَعَیْنُ تَعَیُّنَاتِہٖ لِاَنَّ الْاِمْتِیَازَ تَخَلَّلَ بِالْاِطْلَاقِ جیسے زید انسان کا عین حقیقتاً اور اس کا غیر تعیّنات ہے۔ اس لئے کہ امتیاز اطلاق سے جاتا رہتا ہے۔

قَالَ شَیْخُ اَبُوالْحَسَنِ شَاذِلِیْ قُدِّسَ سِرُّہٗ یعنی شیخ ابوالحسن شاذلی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ یَنْبَغِیْ اَنْ یَّکُوْنَ الْفَرْقُ عَلٰی لِسَانِکَ وَالْجَمْعُ فِیْ قَلْبِکَ۔ اے طالب صادق! تیرے حال کے لائق یہ ہے کہ تیری زبان پر فرق ہو اور تیرے دل میں جمع ہو۔ وَھٰذَا ھُوَ الْکَمَالُ اور یہ وہ حال ہے جس کو کمال کہتے ہیں۔ فَالْمُقْتَدِیْ مُحْتَاجٌ اِلٰی

الْمُطْلَقِ فِي الْوُجُوْدِ وَالْمُطْلَقُ مُشْتَاقٌ اِلَى الْمُقَيَّدِ فِي الظُّهُوْرِ۔ پھر اس بات کو جاننا چاہیے کہ مقید محتاج مطلق کا وجود میں ہے۔ اور مطلق مشتاق مقید کا ظہور میں ہے۔ وَالْمُمْكِنَاتُ مِنْ حَيْثُ الْاِطْلَاقِ مُتَّحِدَةٌ وَمِنْ حَيْثُ التَّقَيُّدَاتِ مُتَعَدِّدَةٌ۔ پس ممکنات بحیثیت اطلاق سے متحد ہیں اور بحیثیت تقیدات سے متعدد ہیں۔ فَاَحْكَامُ الْاِطْلَاقِ بَاقِيَةٌ عِنْدَ التَّقَيُّدَاتِ وَاَحْكَامُ التَّقَيُّدَاتِ نَافِدَةٌ عِنْدَ الْاِطْلَاقِ۔ پس احکام اطلاق تقیدات کے وقت باقی رہتے ہیں۔ اور احکام تقیدات کے اطلاق کے وقت نافذ رہتے ہیں۔ وَلَا تَزَاحُمَ وَلَا تَعَارُضَ وَلَا تَنَاكُرَ فِي اَحْكَامِهَا۔ بخلاف احکام مختصہ بِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهَا۔ اور ایک ان میں سے دوسرے کے احکام کا مزاحم یا متعارض یا منکر نہیں ہے بخلاف اپنے ایسے احکام مختصہ کے فَاِنَّهَا مُتَعَارِضَةٌ کہ وہ متعارض ہیں۔ مثلاً اَلْاِنْسَانُ اِذَا قِيْسَ بِالْاِنْسَانِيَّةِ اِلَى زَيْدٍ يُحْكَمُ الْكُلِّيَّةُ مَثَلًا يُزَاحِمُهُ الْجُزْئِيَّةُ الثَّابِتَةُ فِي زَيْدٍ۔ جیسے انسان زید کو قیاس کیا جائے تو حکم کلیت کا مثلاً مزاحم ہوتا ہے حکم جزئیت کے جو زید میں ثابت ہوتا ہے وَاَمَّا كَوْنُهُ جِسْمًا مُتَحَرِّكًا بِالْاِرَادَةِ لَا يُزَاحِمُهُ الزَّيْدِيَّةُ مگر اس جسم کو متحرک بالارادہ ہونا قیاس کیا جاوے تو وہ زیدیت کا مزاحم نہیں ہوتا۔ كَذَالِكَ الْوُجُوْبُ وَالْاِمْكَانُ وَالْقِدَمُ وَالْحُدُوْثُ فَاِنَّ كُلًّا مِّنْ حَيْثُ التَّلَبُّسِ يُعَارِضُ الْاُخْرٰى۔ ایسے وجوب اور امکان اور قدم اور حدوث ہیں کہ ہر ایک ان کا بحیثیت تلبس سے دوسرے کا معارض ہوتا ہے۔ وَاَمَّا مِنْ حَيْثُ التَّجَرُّدِ فَلَا مگر بحیثیت تجرد سے متعارض نہیں ہوتی۔ وَهٰذِهِ الْاَحْكَامُ فِي عَيْنِ التَّجَرُّدِ مُنْغَمِسَةٌ نہ کہ یہ احکام عین تجرد میں ڈوب گئے ہیں۔ مَا لَا تَرَى اِنَّ عَصَا مُوْسٰى عَلٰى نَبِيِّنَا وَعَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ تُرٰى الْحَيَّةَ وَاَمَّا فِي الْوَاقِعِ فَلَمْ يَكُنْ اِلَّا عَصَاهُ کیا یہ بات تجھ کو معلوم نہیں ہوئی کہ موسیٰؑ کا عصا سانپ دکھائی دیتا تھا۔ اور فی الواقع وہ سانپ نہیں تھا۔ بلکہ عصا ہی تھا۔ فَهِيَ عَصَاهُ وَلَيْسَتْ بِحَيَّةٍ وَحَيَّةٍ وَلَيْسَتْ لِعَصَاهُ۔ پس وہ عصا ہی تھا اور سانپ نہیں تھا یا سانپ ہی تھا عصا نہیں تھا۔ وَالْعَصَا عَيْنُ الْحَيَّةِ وَالْحَيَّةُ عَيْنُ الْعَصَا۔ اور عصا عین سانپ تھا اور سانپ عین عصا۔ وَالْعَصَا غَيْرُ الْحَيَّةِ وَالْحَيَّةُ غَيْرُ الْعَصَا۔ اور عصا سانپ کا غیر اور سانپ عصا کا غیر تھا۔ وَكَذَا اَحْبَالُ السَّحَرَةِ وَعِصِيُّهُمْ حَيَّاتٌ فِي نَظْرِنَا۔ ایسے ہی رسیاں اور لکڑیاں ساحروں کی موسیٰؑ کی طرف والوں کی آنکھوں میں سانپ نظر آتے تھے۔ وَالْحَيَّاتُ حِبَالٌ وَعِصِيٌّ۔ حالانکہ وہ سانپ (فی الواقع) رسیاں اور لکڑیاں ہی تھے۔ كُلُّ هٰذَا فِي التَّخَيُّلِ فَلَيْسَ فِي نَفْسِ الْاَمْرِ

اِلَّا ذَاتَ وَاحِدَۃٍ مُتَنَاہِیَۃٍ مُتَلَبِّسٍ بِاَحْکَامٍ تَخَیُّلٍ اَنَّہَا غَیْرُہَا بِسَبَبِ تِلْکَ الْاَحْکَامِ۔ ایسے ہی راور جب نظر آتے ہیں وہ سب تخیل میں ہیں اور نفس الامر میں صرف ذات واحد کے سوائے اور کوئی نہیں۔ اور وہ ذات متلبس باحکام تخیل ہے۔ اور ان کی وجہ سے وہ غیر معلوم ہوتی ہے۔" (سواء السبیل، حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی چشتیؒ)

؎ خوشتر آں باشد کہ سِرِّ دلبراں　　　گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

ترجمہ:۔ بہت زیادہ اچھا وہ ہے کہ دوستوں کا بھید، دوسروں کی بات سے کہا جائے۔

توحید مطلق

"توحید مطلق صاحب تصور کی طرف غایت تمام رُخ کرتی ہے اور نفس دل اور دل رُوح ہو جاتا ہے اور رُوح سِرّ ہو جاتی ہے۔ اور سِرّ مقام خفی میں اور خفی مقام انا میں آتا ہے اور انا یخفیٰ میں آتا ہے۔ اور اسے توحید مطلق کہتے ہیں اور آخر اوّل سے منطبق ہوتا ہے۔ جس طرح اوّل توحید سے نور محمدیؐ ظاہر ہوا اور نور محمدیؐ سے روح اور روح سے نور، روشنی، اسم، جسم، قلب، نفس اور قالب اربعہ عناصر پیدا ہوئے۔

پس مرشد کامل اسی طرح مراتب بمراتب، منزل بمنزل، مقام بمقام توحید میں غرق کرتا ہے اور ازل تک پہنچاتا ہے۔ اور حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ کا مصداق بناتا ہے۔ کیونکہ وہ مقام توحید منفرد میں دخلِ تام رکھتا ہے اور اس کی رہنمائی کرتا ہے۔ سَفِہَہٗ مَنْ فَہِمَہٗ یعنی جس نے سمجھ لیا اس کو سمجھ آگئی، منفرد وُہ جہاں نور خدا تعالےٰ سے جدا ہوا۔ اور یقین ہے کہ مرشد کامل جب کسی ہاتھ میں اسم ذات دے گا۔ اسے عین توحید میں پہنچا دے گا۔ اور ہرگز اسے صفات میں نہ چھوڑے گا۔ اور یہ بجز یکتائی توحید کے باقی تمام منزل میں اس کا مشترک ہوتا ہے ؎

فرشتہ گرچہ دارد قرب درگاہ　　　نگنجد در مقامِ لی مع اللہ!

ترجمہ:۔ اگرچہ فرشتے کو قرب درگاہ حاصل ہے۔ مگر مقام لی مع اللہ میں اس کی گنجائش نہیں۔ (عین الفقر، حضرت سلطان باہوؒ)

خلافِ شرع گمراہی ہے

اگرچہ توحید میں کتنا ہی غرق ہو جائے مگر خلاف شرع ظاہر نہ ہونا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اِذَا رَأَیْتَ رَجُلاً یَطِیْرُ فِی الْھَوَاءِ اَوْ یَمْشِیْ عَلَی الْمَاءِ وَتَرَکَ سُنَّۃً مِنْ سُنَّتِیْ فَاضْرِبْہُ بِالنَّعْلَیْنِ ترجمہ:- اگر تو کسی کو ہوا میں اُڑتا ہوا پائے یا پانی پر چلتا ہوا دیکھے اور تجھے معلوم ہو کہ میری سنت پر عمل نہیں کرتا تو اسے جوتے مار۔ یعنی اس کو خدا تعالٰے کے نزدیک کچھ عزت نہیں۔ شیطان کو خدا تعالٰی نے اس سے زیادہ قدرت دی ہے ؎

نماز دائمی با وقت پایدار ‍ ‍ ‍ ‍ ‍ ‍ کسے وقتے نخواند پس گنہگار

ترجمہ:۔ نماز ہمیشہ اپنے وقت پر پڑھتا رہ۔ اور جو شخص ایک وقت کی نہ پڑھے تو وہ گنہگار ہے۔

جو فقیر کہ اسم اللہ کے ساتھ مشغول ہے خواہ دانا ہو یا دیوانہ وہ مجذوب باللہ اور ریگانہ مقدا ہوتا ہے۔ اور اس کی زبان پر یہ ترانہ ہوتا ہے ؎

محبت است کہ دل رانمی دہم آرام ‍ ‍ ‍ ‍ ‍ ‍ وگرنہ کیست کہ آسودگی نمے خواہد

ترجمہ:۔ یہ محبت ہی ہے جس کی وجہ سے میرے دل کو آرام نہیں ورنہ کون شخص آسودگی نہیں چاہتا۔[1]

اک نقطے وچ گل مُکدی اے

پھڑ نقطہ چھوڑ حساباں نوں ‍ ‍ ‍ ‍ ‍ ‍ کر دُور کفر دیاں باباں نوں
لا دوزخ گور عذاباں نوں ‍ ‍ ‍ ‍ ‍ ‍ کر صاف دلیداں خواباں نوں
گل ایسے گھر وچ ڈھکدی اے
اک نقطے وچ گل مکدی اے

[1] عین الفقر

اینویں متھا زمین گھسائی دا   لماں پا محراب وکھائی دا
پڑھ کلمہ لوک ہسائی دا   دل اندر سمجھ نہ لیائی دا

کدیں بات سچی بھی لکدی اے
اک نقطے وچ گل مکدی اے

کئی حاجی بن بن آئے جی   گل نیلے جامے پائے جی
حج وچ ٹکے لے کھائے جی   بھلا ایہہ گل کینوں بھائے جی

کوئی بات سچی بھی لکدی اے
اک نقطے وچ گل مکدی اے

پھر مرشد عبد خدائی ہو   وچ مستی بے پرواہی ہو
بے خواہش بے نوائی ہو   وچ دل دے خوب صفائی ہو

بلھا بات سچی کدوں رکدی اے
اک نقطے وچ گل مکدی اے

عین غین دی اکو صورت   وچ نقطے شور مچایا اے

"ایک نقطے میں بات ختم ہو جاتی ہے۔ یعنی ایک نقطہ میں حارج خیال جہاں آرا معشوق حقیقی سے حجاب اٹھ جاتا ہے اور تجلیات اس کے ہونے لگتے ہیں۔ وہ نقطہ کونسا ہے؟ یہ ہے ۔

کہ بجز اولیت در سرائے وجود   بہ حقیقت دگر کسے موجود

ترجمہ:۔ کہ وجود کی سرائے میں درحقیقت سوائے اسکے کوئی موجود نہیں ہے اور وہ یہ نقطہ ہے جس کی خبر خواجہ حافظؒ نے دی ہے

ع   تو خود حجابِ خودی حافظؔ ازمیاں برخیز

ترجمہ:۔ تو آپ اپنا حجاب ہے اے حافظ! تو درمیان سے اٹھ جا۔

جیسے نقطہ کی ہستی موہومی ہے، ایسے ہی ہر شے کی ہستی موہومی ہے۔ ہستی حقیقی حضرت معشوق حقیقی کی ہے اور بس پس جب کہ ظہورِ تجلیاتِ حضرت الوجود سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ہماری

ہستی مثل نقطہ کے موہومی ہے۔ اور حضرتِ معشوق کی ہستی حقیقی ہے۔ ہستی حقیقی کی اضافت اپنی طرف کرنا بڑا جھوٹ، بڑا ظلم ہے۔

نو اک نقطے وِچ گل مکدی اے، یعنی بات ختم ہو جاتی ہے۔ یا یوں کہو کہ اسی ایک نقطہ پہ سلوک ختم ہو جاتا ہے ؎

یَعلمُہ اللّٰہ دو قدم راہ است و بیروں از دو نیست — یک قدم بر خود نہ و دیگر قدم در کوئے دوست

ترجمہ۔ اللہ کی معرفت دو قدم کا راستہ ہے۔ اور ان دو سے باہر نہیں۔ ایک قدم اپنی ہستی پر رکھ۔ اور دوسرا قدم محبوب کے کوچے میں۔

یا یوں سمجھو کہ حساب میں نقطہ کو صفر کہتے ہیں جو عدم کے معنی رکھتا ہے ایسے ہی ہم اپنی ذات سے صفر یعنی عدم ہیں۔ اس نقطۂ عدم کو اچھی طرح پکڑ لینا چاہیئے اور اپنا وجود شمار کرنے کے حساب کو چھوڑ دینا چاہیئے کہ طریقت میں یہ ایک باب کفر کہلاتا ہے۔ اور دوزخ اور گور مہجوری کو سر سے اتار اور دل کے خوابوں کو صاف کر یعنی دل کی خواہیں جو اب حکم اضغاث احلام کا رکھتی ہیں ان کو رویائے صادقہ بنا اور اس بات کو خوب جان لے کہ اپنے تئیں نقطہ جان کر اور ہندسہ حساب وجود کا سمجھ کر سجدے کرنا اور زمین پر ماتھے گھسانا یا محرابوں میں سر کے بل پڑنا کام کا نہیں ہے۔ اس لئے کہ عقیدہ اور افعال شرک فی الوجود کی گواہی دے رہے ہیں۔ شرک خفی ظاہر کر رہے ہیں۔ چنانچہ خود اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں اس کی خبر دیتا ہے۔ کہ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ۝ (دیکھو تمہیدات عین القضاۃ ہمدانیؒ)

پھر ان سجدوں اور محرابوں میں لیے پڑنے کو کون پوچھتا ہے۔ جب تک شرک فی الوجود قائم ہے مشرک کی کوئی عبادت قبول نہیں۔ ایسے لوگوں کا کلمہ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ بھی منہ سے پڑھنا اور دل میں اس کے معنی لَا موجود اِلَّا اللّٰہ کے سمجھ نہ رکھنا لوگوں کو ہنسانا ہے۔ حضرت بایزید بسطامیؒ نے جو یہ فرمایا ہے کہ توبۃُ النَّاسِ مِنَ الذُّنُوبِ وَتَوبَتِیْ مِنَ الْقَوْلِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ وہ ایسے ہی لوگوں کے کلمہ پڑھنے کے بارے میں فرمایا ہے جو اپنی ہستی کو ورائے ہستیٔ حق کے ایک ہستیٔ مستقل سمجھتے ہیں اور شرک فی الوجود میں غرق ہیں۔ اور پھر کلمہ طیبہ پڑھتے ہیں۔ جس کے اصلی معنی یہ ہیں کہ لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰہ چونکہ مشرک ہو کر

کلمہ طیبہ زبان سے پڑھنا گو دائرہ اسلام میں لے آتا ہے مگر نور ایمان پیدا نہیں ہوتا۔ اور یہ بات سچی ہے کہ بدون شرک فی الوجود دور کئے دل میں نور پیدا نہیں ہوتا۔ نہ حقیقت چھپتی ہے کیونکہ وہ نقلی کلمہ ہوگا اور اصلی کلمہ سے نور اس کے دل میں پیدا ہوگا اور اس سے زمین سے آسمان تک سب کچھ نظر آئے گا۔ اور ہر شخص اپنے حال کو دیکھ لے گا۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ پس جب تک شرک فی الوجود قائم ہے، کلمہ اور نماز اور روزہ اور حج کچھ نور پیدا نہیں کرتے۔

دوہڑہ

بلھے نوں لوک متیں دیندے بلھا توں جا بہہ مسیتی ۔۔۔ وِچ مسیتاں دے کی کجھ ہوندا جے دِلوں نماز نہ نیتی

باہروں پاک کیتے کی ہوندا جے اندروں گئی پلیتی ۔۔۔ بن مرشد کامل بلھیا تیری اینویں گئی عبادت کیتی

اور کچھ یہاں ہی یہ بات نہیں کہتا سب لوگ یہی بات کہتے گئے ہیں (قطعہ دیکھو لطائف اشرفی مطبوعہ جلد ثانی صفحہ ۱۵۶)

تو درونِ نماز و دل بیرون ۔۔۔ گشت ہامیکند بہ مہمانی

این چنیں حالت پریشاں را ۔۔۔ شرم ناید نماز می خوانی

ترجمہ۔ تو نماز میں ہے اور تیرا دل باہر گشت کر رہا ہے۔ اس پریشاں حالت میں تجھے نماز پڑھتے شرم نہیں آتی۔

رباعی

نا روئے ترا بدیدم اے شمع طراز ۔۔۔ نے کار کنم نہ روزہ دارم نہ نماز

چوں با تو بُوَدم مجاز من جملہ نماز ۔۔۔ چوں بے تو بدم نماز جملہ مجاز

ترجمہ وتشریح رباعی ۔ یعنی اے شمع فروزِ جہاں! جب سے تیرا رُخ پر نور دیکھا ہے کوئی کام روزہ، نماز کا مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ یعنی جب تیرے ساتھ ہوتا ہوں خیال موہومی قطع ہو جاتا ہے۔ تیری ہستی حقیقی جلوہ گر ہوتی ہے۔ تو مجاز کے سب کام میری نماز ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ نماز کہتے ہیں توجہ الی اللہ کو اور اس حال میں توجہ الی اللہ میں غرق ہوتا ہوں۔ اور اپنی اصطلاح میں اس کو طریقت کی نماز کہتا ہوں۔ اور جب بغیر تیرے ہوتا ہوں۔ یعنی میں اپنی ایک ہستی مستقل ورائے ہستی تیری کے سمجھتا ہوں تو اس حال میں میری نماز ایک مجاز ہے۔

ایسے ہی ایسے حال میں کلمہ طیبہ پڑھنا بھی ایک مجاز ہے۔ جب خیالِ ہستی موہومی دل سے کلیتہً قطع ہوجاتا ہے تب آدمی اصلی مسلمان ہوتا ہے۔ اس سے پہلے مسلمان مجازی ہے اور مجاز کے سب کام کرتا ہے مگر چونکہ وہ گرفتار مجاز ہے۔ مجاز کے سب کام کرنے اس کو ضروری ہیں۔ ان کو چھوڑنا خرابی ہے مگر ہاں اپنے حال پر کرتے رہنا چاہیئے اور حقیقی مسلمان ہونے کی کوشش کرتے رہنا چاہیئے۔

اس افسوس میں حضرت خواجہ حافظ شیرازیؒ فرماتے ہیں ؎

گر مسلمانی ہمیں است کہ واعظ دارد　　　آہ گر زپئے امروز شود فردائے

ترجمہ:۔ اگر مسلمانی یہی ہے جو کہ واعظ رکھتا ہے۔ افسوس اگر اس کیلئے آج کل ہو جائے۔ (قانون عشق)

قرآن مجید کی حقیقت

اللہ غیر مخلوق ہے۔ اللہ کا قرآن بھی غیر مخلوق۔ قرآن شریف غیر مخلوق کلام ہے۔ کلام اور کلام کرنے والا ایک ہوا۔ حکم اور حاکم بھی ایک ہوا۔ روح بھی امر ہے۔ حکم ہے۔ روح تقسیم پذیر نہیں ہے۔ گو روح حیوانی ہو یا انسانی۔ انسان دراصل روح کا نام ہے۔ یہ روح اپنے آپ پر ہر حکم عائد کرتا ہے۔ اچھا ہو یا بُرا۔ مگر شریعت اس کو رد کرے گی۔

"اوّل یہ کہ قرآن شریف کی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت۔ (دیکھو تمہید اوّل و تمہیدات حضرت عین القضاۃ ہمدانیؒ)

صورت قرآن مجید کی یہ حروف اور الفاظ ہیں جو آدمیوں کے منہ سے نکلتے ہیں یا کاغذ پر تحریر ہیں اور حقیقت اس کی نور ہے جس کے مصداق آیات قَدْ جَاءَكُم مِّنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ ۝ اور وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ ہیں۔ عالم صورت میں قرآن ان حروف اور کلمات اور الفاظ اور تحریر کاغذی کو کہتے ہیں مگر عالم حقیقت میں حقیقت قرآنی کو قرآن کہتے ہیں۔ اور چونکہ عالم حقیقت یعنی باطن کے پردے اور عوالم ہیں جو ایک عالم میں اس کا نام ہے وہ دوسرے میں نہیں۔ ہر عالم حقیقت میں اس کا نیا ہی نام ہے۔ (دیکھو تمہید مذکور) ایک عالم میں اس کا نام مجید ہے جس کا ذکر بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ میں ہے۔ ایک عالم میں اس کا نام مبین ہے۔ جیسا کہ آیت کِتَابٌ مُّبِينٌ سے ظاہر ہے۔ ایک عالم میں اس کا نام عظیم ہے جس کا بیان آیت وَلَقَدْ

اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ میں ہے۔ ایک عالم میں اس کو عزیز کہتے ہیں۔ جیسا کہ آیت اِنَّہٗ لَکِتٰبٌ عَزِیْزٌ سے ظاہر ہے۔ ایک عالم میں اس کو حکیم کہتے ہیں جیسا کہ آیت اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْحَکِیْمِ سے ظاہر ہے۔ ایسے ہی قرآن کے ہزارہا نام ہزارہا عوالم حقیقت میں ہیں جو سمع ظاہری سے نہیں سنے جا سکتے جس کی سمع باطن کھل جاتی ہے۔ وہ سنتا ہے۔ اور عالم حٰمٓ عٓسٓقٓ میں ہیں۔ اس پر وہ نام ہائے پوشیدہ ظاہر ہوتے ہیں اور یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اِنَّ الْقُرْاٰنَ ظَہْرًا وَّبَطْنًا وَّ لِلْبَطْنِ بَطْنًا اِلٰی سَبْعَۃِ اَبْطُنٍ وَاُنْزِلَ الْقُرْاٰنُ عَلٰی سَبْعَۃِ اَحْرُفٍ کُلُّھَا کَافٍ شَافٍ ایسے لوگوں سے جن کے سمع باطن کھلے ہوئے تھے رسول مقبولؐ نے فرمایا تھا کہ اِقْرَءُوا الْقُرْاٰنَ وَالْتَمِسُوْا غَرَائِبَہٗ۔ غرائب قرآن کا پانا ہر کسی کا کام نہیں ہے۔ پس جس کسی پر حقیقت قرآنی متجلی ہو گئی ہے۔ اس کے ہر حرف اور ہر لفظ سے ایک نور نظر آتا ہے۔ جیسا کہ نور الفاظِ ایمان اور مومن سے نکلتا دیکھتا ہے ایسا ہی الفاظِ کفر اور کافر سے دیکھتا ہے۔ بلکہ یہ الفاظ بالکل نور ہی نظر آتے ہیں اس حال میں ان کو ان الفاظ میں نفرت کہاں ہے کراہت کہاں ہے۔ بلکہ ان لفظوں پر بھی جان سے صدقے اور قربان ہے۔ ایسے مقام پر حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے۔ لَیْسَ فِی الْقُرْاٰنِ ذِکْرُ الْاَعْدَاءِ وَلَا خِطَابٌ مَّعَ الْکُفَّارِ

(دیکھو تمہید مذکور صفحہ ۱۲۱ جلد ثانی لطائف اشرفی ثانی)

یعنی قرآن میں اعدا کا ذکر نہیں ہے نہ کفار کے ساتھ خطاب ہے۔ بات یہ ہے کہ ان کو مقام حقیقت میں کوئی عدو یا کافر نظر ہی نہیں آتا نور ہی نور نظر آتا ہے۔ اس مقام پر حضرت عین القضاۃ ہمدانیؒ نے جو فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اے عزیز جب قرآن اپنے چہرہ منوّر سے نقاب عزّت اور برقعہ عظمت اٹھا دیتا ہے۔ تو بیماران قرآن لقاء اللہ (اللہ کے دیدار) سے شفا پاتے ہیں۔ اس لیے رسول مقبولؐ نے فرمایا کہ اَلْقُرْاٰنُ ھُوَ الدَّوَاءُ وَاقْرَاٰن۔ اگرچہ کسوت حروف اور ہزارہا پردوں میں نازل ہوا ہے مگر عاشق ہی جانتے ہیں کہ اس کے حروف میں کئی ہزار عمرہا جانگداز ہے۔ اور عاشقوں اور بیگانوں ہی کے لئے فرمان ہوا ہے کہ وَذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ اور جو بیگانے ہیں ان کا یوں ذکر فرمایا گیا ہے کہ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْھِمْ ءَاَنْذَرْتَھُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ○ ابی لہب نے تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَھَبٍ سے کچھ اور ہی سنا اور ابو جہل نے قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ سے کچھ اور ہی سمجھا۔ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ نے تبت

اور قُلْ يَا اَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ سے کچھ اور ہی سمجھا یعنی وہ عالم صورت میں آفتاب گرفتار تھے۔ انہوں نے صورت پائی۔ اور یہ عالم حقیقت کو پہنچے ہوئے تھے۔ انہوں نے حقیقت پائی۔ (قانون عشق)

اے عزیز! تو جمال قرآن کا اس وقت دیکھ سکتا ہے جب عادت پرستی سے باہر نکلے اور وہم ہستیٔ موہومی کا عشق حقیقی سے منقطع ہو جائے۔ تب اہل قرآن ہوگا۔ اَهْلُ الْقُرْاٰنِ هُمْ اَهْلُ اللّٰهِ وَخَاصَّتُهٗ لِاَهْلِ الْقُرْاٰنِ وہی لوگ ہیں جو حقیقت میں عین کلام کو پہنچ گئے ہیں اور قرآن نے ان کو قبول کر لیا ہے۔ كَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا قرآن اسی کو قبول کرتا ہے اور اسی سے باتیں کرتا ہے۔ اس کو جمال اور غمزہ دکھاتا ہے۔ جو اس کا اہل ہے۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ۔ نا اہل اور نامحرم کو کبھی یہ دولت حاصل نہیں ہوتی۔ ان مقامات میں سے جن میں سالک طریق حق۔ دولت جمال قرآن پاتا ہے۔ ادنیٰ مقام آخرت ہے۔ جو کوئی آخرت میں نہیں پہنچا اس نے یہ قرآن نہیں سنا۔ اور نہ دیکھا۔ مقام آخرت ہے۔ (من مات فقد قامت قیامتہ) یعنی جو کوئی زندگی ہی میں مر گیا اور ہستی موہومی اس کی قطع ہوگئی اس کی قیامت قائم ہوگئی اور مقام آخرت پر وہ پہنچ گیا۔ اے عزیز! ہدایت قرآن یہ ہے کہ حروف مقطعات تجھ سے باتیں کریں اور اپنا جمال تجھ کو دکھائیں۔ ہائے افسوس خلق نے ظاہر قرآن پر قناعت کر لی ہے۔ اور قرآن کی پوست پر نظر رکھتے ہیں یہ کوشش نہیں کرتے کہ اس کا مغز پائیں اور اس کی لذت اٹھائیں۔ اور یہ نعمت کھائیں کہ اَلْقُرْاٰنُ مَاْدُبَةُ اللّٰهِ فِیْ اَرْضِهٖ حضرت رسول مقبول ﷺ نے ایسے ہی لوگوں کی شکایت میں فرمایا ہے۔ کہ یَا رَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا

(انتہیٰ کلام حضرت عین القضاۃ ہمدانی رح)

یہاں ظاہر ہے کہ جو اصطلاحِ کفر پر اعتراض کرتا ہے وہ اس قرآن کو پڑھتا اور سنتا ہے جو حروف اور کلمات ہیں اور سوائے حروف سیاہی اور سپیدی کاغذ کے اور کچھ نظر اسکو نہیں آتا۔ اور جو ان اصطلاحوں کو مقرر کرتا ہے، وہ اس قرآن کو سنتا ہے۔ اور دیکھتا ہے۔ جو نور ہے اور نورٌ علیٰ نور ہے۔

بہ بیں تفاوت راہ از کجا است تا بکجا (راستے کا فرق دیکھ۔ کہاں سے کہاں تک ہے۔)[1]

---

[1] قانون عشق

اقوال حضرت سُلطان العارفین

"تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را گاہے گاہے باز خواں ایں دفتر پارینہ را

ترجمہ۔ اگر تو سینہ کے داغوں کو تازہ رکھنا چاہتا ہے تو اس پرانے دفتر کو کبھی کبھی دوبارہ پڑھ۔

۱۔ یہ فقر فخر محمدؐ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (تم تمام امتوں سے بہتر ہو جو پیدا کی گئی ہیں) اور قُم بِإِذْنِي مرتبہ حضرت عیسیٰؑ کا ہے کیونکہ ان کی توحید مرتبہ لسانی پر تھی اور امت محمدیؐ سر سے پیر تک توحید میں غرق ہے اور وہ نہ خدا ہے نہ خدا سے جدا ہے۔ جیسے آگ اور چنگاری اور جیسے نمک اور طعام ع

ہر کہ در کان نمک رفت نمک شد (جو کوئی نمک کی کان میں گیا نمک ہو گیا یعنی جو کچھ نمک کی کان میں جا پڑا وہ نمک کی تاثیر سے نمک ہی بن جاتا ہے) جو چیز آگ میں جا پڑے اس کی حرارت سے کبھی وہ لال انگارہ بن جاتی ہے۔ جیسے آب اور شیر۔ یہی حال وحدت اور فقر کا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے۔ لِي مَعَ اللهِ وَقْتٌ لَا يَسَعُنِي فِيهِ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِيٌّ مُرْسَلٌ۔ یعنی مجھے خدا تعالیٰ کے ساتھ ایک ایسا وقت ہے کہ اس وقت نہ مجھے کسی فرشتے کا خیال ہو سکتا ہے اور نہ کسی نبی مرسل کا دھیان آ سکتا ہے۔"

یہ سرِّ وحدت کا نشان حضرت سلطان العارفین نے دیا ہے۔ بہت خوب ہے۔ جیسا آگ اور چنگاری نمک اور طعام، آب اور شیر، سورج اور روشنی، عالم اور علم، وجود اور سایہ، اسم اور مسمیٰ، حاکم اور حکم، کلام اور کلام کرنے والا ایک بھی ہیں اور دو بھی۔ ہر چیز کا نام، مرتبہ اور درجہ علیحدہ ہے۔ "حفظ مراتب نکنی زندیقی" بھی ضروری ہے مگر جو شخص وحدت مطلق میں جاتا ہے۔ اس کے عقل و علم میں ہر چیز اسی مثال کی طرح ایک ہے۔ جیسا کہ قرآن خدا کا غیر مخلوق کلام ہے۔ ویسے ہی خدا بھی غیر مخلوق ہے۔ توحیدی کو فاعل، فعل اور مفعول ایک نظر آتے ہیں تقلیدی کے عقل اور علم میں تین عدد نظر آئیں گے۔

۲ لطیفہ اللہ جل شانہ کے نام پر (الف) ہے اور انسان اور احد پر بھی (الف) ہے۔ پس انسان اہل سر کو کہتے ہیں اَلْاِنْسَانُ سِرِّيْ وَاَنَا سِرُّهٗ انسان کامل میرا ایک راز ہے۔ اور میں اس کا راز ہوں اور دیکھو رسول اللہؐ بھی انسان ہیں تو اب دوسرا شخص بھی انسان جب ہو گا۔ کہ اس کا "تابع فرمان اور پیرو بنے اور

خدا تعالیٰ نے انسان کو بڑی فضیلت عطا کی کہ اسے رسالت سے ممتاز کیا۔ اور اسی طرح آدم پر بھی (الف) ہے تو آدمی وہی ہے جو آدمیت حاصل کرے ورنہ حیوان ہے۔ اور جو شخص کہ دنیائے دُوں اور خواہش نفسانی اور شرکات شیطانی سے نزدیک ہوتا ہے۔ وہ خدا اور رسول ؐ سے دور ہوتا ہے۔

۳۔ نقل ہے کہ ایک روز حضرت شیخ جنید بغدادیؒ اور شیخ شبلیؒ دونوں شہر سے باہر جنگل کی طرف جا رہے تھے کہ راستہ میں نماز کا وقت ہو گیا۔ دونوں صاحبوں نے وضو کر کے نماز کا ارادہ کیا کہ اسی اثنا میں ایک مزدور آیا۔ اس نے اپنے سر سے لکڑیوں کا گٹھا اتار کر وضو کیا۔ اور ان کے پاس آگیا۔ انہوں نے پہچان لیا کہ یہ شخص اولیاء اللہ میں سے ہے۔ اور ان دونوں نے اس کو اپنا امام بنایا اور خود مقتدی بنے۔ مگر اس بزرگ نے ہر رکوع، سجود میں بہت دیر لگائی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو شیخ نے پوچھا کہ رکوع و سجود میں اس قدر دیر کیوں ہوئی۔ بزرگ نے جواب دیا۔ کہ ہر رکوع و سجود میں تسبیح پڑھتا تھا اور ہر تسبیح کا جواب جب تک لبیک عبدی نہ سن لیتا تھا سر نہیں اٹھاتا تھا۔ اس وجہ سے رکوع و سجود میں دیر ہوتی تھی۔ پس جو نماز کہ با صواب نہیں ہوتی وہ نماز نماز نہیں بلکہ وہ دل کی پریشانی ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ حیؔ و قیوم ہے۔ جب کوئی پکارتا ہے تو وہ اسے جواب دیتا ہے۔ اسی لئے حدیث شریف میں آیا ہے۔ کہ لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ یعنی نماز کامل طور سے ادا نہیں ہوتی مگر حضوری دل سے۔ اس لئے نماز خدا تعالیٰ کی طرف کامل توجہ اور یکسوئی سے پوری ہوتی ہے۔ ورنہ وہ ایک پریشانی اور جدائی ہوتی ہے۔ فقیر باہوؒ کہتا ہے کہ اہل نماز کے لئے رکوع و سجود میں خدا تعالیٰ کی طرف سے لبیک عبدی کا جواب ملتا ہے۔ اور عارف باللہ کے لئے ہر دم اور ہر ساعت اور ہر لحظہ لَبَّیْکَ عَبْدِیْ کا جواب موجود ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ (سو تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا) اگر ایک بار بندہ اللہ کہے اللہ تعالیٰ بیس مرتبہ بذریعہ الہام ندا کرتا ہے لَبَّیْکَ عَبْدِیْ۔ لَبَّیْکَ عَبْدِیْ مگر مراتب الہام آسان نہیں ہیں۔ جوانمرد کو مقام فنا فی اللہ میں غرق ہونا چاہئے ؎

نہ بودے آدم و حوا نہ نوح و موسیٰ نہ کوہ طور ‫ ‫ نبودے انبیاء و اولیاء من بودم عین نور

ترجمہ۔ نہ حضرت آدم اور نہ حضرت حوا تھیں۔ اور نہ نوح و موسیٰ اور کوہ طور تھا۔ نہ انبیاء و اولیاء تھے۔ میں عین نور تھا۔

ہیچ ہمہ در ہیچ بودند آں وقتش خدا ‫ ‫ خلوتے خوش یافتم اندر مقام کبریا

ترجمہ۔ اور جبوقت کہ خدا تعالیٰ کے نور میں تمام چیزیں ہیچ در ہیچ تھیں۔ اس وقت مقام کبریا میں بہت خوشی کے ساتھ خلوت رکھتا تھا۔

ترکِ دُنیا و ماسوائے اللہ

ذکر اور علم دونوں اہل حضور کیلئے بے ادبی ہے اور حضور بھی وحدانیت کی جدائی ہے۔ تاوقتیکہ وحدت اور توحید میں غرق نہ ہو جائے۔ اور وحدت میں غرق نہیں ہو سکتا۔ تاوقتیکہ ماسوائے اللہ سے بیزار اور محبت میں فنا ہو کر علم اور ذکر کو فرو گذاشت نہ کرے۔ لَذَّۃُ الْاَفْکَارِ یَخْبِسُنَّ مِنْ لَذَّۃِ الْاَذْکَارِ یعنی لذّتِ فکر لذّتِ ذکر سے بہتر ہے اور اَلْعِلْمُ حِجَابُ الْاَکْبَرُ علم بہت بڑا حجاب ہے۔ بعض سالک یا طالب یا مرشد محض وہم کے طور پر اپنے آپ کو مقامِ حضور میں جانتا ہے۔ مگر درحقیقت وہ حضوری خدا تعالیٰ سے دور اور بیخبر ہوتا ہے۔ جس طرح کولہو کا بیل کہ اُس کی آنکھیں بندھی ہوتی ہیں گھرتے پھرتے وہ خیال کرتا ہے کہ اس نے بہت بڑی منزل طے کی ہے۔ مگر جب اس کی آنکھیں کھلتی ہیں تو جان لیتا ہے کہ وہیں کا وہیں ہے ؎

باہُو ہر آں گوید حضورش حق زدورش ۔۔۔ حضورش آنکہ از خود خویش دورش

ترجمہ۔ باہُو جو کوئی اہل حضور ہونے کا دعویٰ کرتا ہے وہ (درحقیقت) حضور خداوندی سے دور ہے۔ اہل حضور وہی ہوتا ہے جو اپنے آپ سے دور (فنا میں کامل) ہو چکا ہو۔

متفرقات

اے عزیز! جب تک اسم اللہ ذات کی مشق کی آگ نہ جلے نفاق باہر نہیں نکلتا اور نہ ہی دل کا زنگار دور ہوتا ہے۔ اور بغیر ذکر کے دل زندہ نہیں ہوتا اور نہ ہی نفس مرتا ہے خواہ ساری عمر کیوں نہ تلاوتِ قرآن اور مسائل فقہ میں خرچ کی جائے۔ اور بال کی طرح باریک ہو جائے اور خواہ کتنا ہی زہد اور ریاضت کرنے سے پیٹھ کبڑی ہو جائے۔ بال کی طرح باریک ہو جائے۔ دل کی سیاہی اسی طرح رہتی ہے۔ اور اسم اللہ کے تصور کی مشق کے بغیر کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ اگرچہ ریاضت کا سر پتھر پر کیوں نہ ٹپکے۔ اور اسم اللہ کے تصوّر کی مشق کرنیوالا ان مرغوب مراتب کا بے مشقت معشوق اور بے محنت محبوب حاصل کر لیتا ہے۔ اگر زمین کو طے کرنا چاہے تو آدھے قدم میں طے کر سکتا ہے۔ اور وہ پانچوں وقت کی نماز با جماعت کعبہ شریف میں پڑھتا ہے اور ہمیشہ مہتر خضر علیہ السلام کی صحبت میں رہتا ہے ؎

ہر چہ خوانی اسم اللہ را بخواں　　اسم اللہ با تو ماند جاوداں

ترجمہ:۔ جو کچھ تو پڑھتا ہے اللہ کے نام سے پڑھ۔ کیونکہ اسم اللہ ہمیشہ تیرے ساتھ رہے گا۔

وہ فقیر جو اسم اللہ سے دوستی نہیں رکھتا وہ باطنی مجلس انبیاء سے خارج ہو جاتا ہے۔ اور کسی مرتبے کو نہیں پہنچتا۔ اور جو عالم کہ ظاہر و باطن میں کامل فقیر سے معرفت الٰہی اور ذکر اللہ کی طلب نہیں کرتا وہ کبھی آخر کار معرفت الٰہی سے محروم رہ جاتا ہے۔ اسواسطے اللہ کی معرفت دنیاوی محبت دل سے دور کئے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی ہے

اوّل بدر کن خطرات را　　تا بیابی وحدت حق ذات را

ترجمہ۔ پہلے خطرات کو دل سے نکال۔ تاکہ تجھے ذات حق کی وحدت معلوم ہو۔

حدیث:۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلٰى صُوَرِكُمْ وَلَا يَنْظُرُ اِلٰى اَعْمَالِكُمْ لٰكِنْ يَنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ وَنِيَّاتِكُمْ۔ ترجمہ۔ بیشک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے اعمال کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں اور نیتوں کو دیکھتا ہے۔ اسم اللہ کے تصور کی مشق دل کو ایسا زندہ کرتی ہے جیسا کہ باران رحمت کے قطروں سے خشک زمین اور خشک گھاس زندہ اور سرسبز ہوتی ہے۔ جس شخص کے دل میں اسم اللہ کے الف سے روشنی پیدا ہو گئی اس کا دل جام جہاں نما اور آئینہ سکندری بنجاتا ہے۔ اور صفائی پکڑ جاتا ہے۔ اور اٹھارہ ہزار عالم اسے نظر آتے ہیں اور احدیت کو پہنچ جاتا ہے۔ جب کوئی اسم ذات اور اسم سرور کائنات صلعم اور کلمہ طیبہ میں محو ہو جاتا ہے اس کا ہر گناہ نابود ہو جاتا ہے۔ اور اسم اللہ ذات کے نور کے لباس میں وہ رہتا ہے۔ اس کو تمامیت کہتے ہیں۔

حدیث:۔ اِذَا تَمَّ الْفَقْرُ فَهُوَ اللّٰهُ۔

فنا فی اللہ | مقام فنا فی اللہ سے مراد یہ ہے کہ جو اسم اللہ تصور کرے اسم اللہ کی تاثیر اسے اِلَّا اللّٰہ کی معرفت بخشتی ہے۔ اور غیر حق کو اس کے دل سے دور کرتی ہے۔ جو اس مقام پر پہنچتا ہے وہ توحید معرفت الٰہی کے دریا سے پیالہ پیتا ہے اور شریعت کا لباس سر سے پاؤں تک پہنتا ہے۔ اور شرعی احکام بجا لاتا ہے۔ اور جو بال بھر بھی معرفت الٰہی دیکھتا ہے اسے جاہل کے روبرو بیان نہیں کرتا۔ اور نہ جوش و خروش کرتا ہے۔ اور ڈینگیں نہیں مارتا ہے

تاتوانی خویش را از خلق پوش	عارفانِ کے پسند نہ خود فروش

ترجمہ: جہاں تک تجھ سے ہو سکے تو اپنے تئیں خلقت سے چھپا۔ نمود دینے کو عارف کب پسند کرتے ہیں۔

اخلاص کی ضرورت

واضح رہے کہ رحمانی اور شیطانی کام میں تاخیر اور تعجیل کا فرق ہے۔ مجھے ان لوگوں سے تعجب آتا ہے کہ عام وخاص کی زبان میں اسم ذاتی ہے۔ اور حافظ قرآن ہیں اور تلاوت کرتے ہیں اور مسائل فقہ کے عالم ہیں۔ اور پھر ان کے دل سے جھوٹ اور نفاق نکلتا ہے۔ اور کیوں ان کے وجود سے حرص، حسد اور کبر دور نہیں ہوتا۔ اس میں یہ حکمت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا نام اخلاص سے نہیں لیتے اور کلام الٰہی ﷲ نہیں پڑھتے اور بادصرصر کی طرح ھُوَ اللّٰہُ اکبر کہہ جاتے ہیں۔ اگر کوئی شخص اسم اللہ اور کلام الٰہی اخلاص سے پڑھے یا سُنے تو اس کا نفس فنا ہو جاتا ہے اور اسے مجلس محمدی کی ہمیشہ کے لیے حضوری حاصل ہو جاتی ہے اور اس کی روح کو لقا حاصل ہوتی ہے۔ اور وہ ناخن میں دو جہان دیکھتا ہے۔ اور اگر پورے اخلاص سے پڑھے تو معرفت کی گیند صدق کے بلے سے دونوں جہان سے لے جاتا ہے۔ اللہ کا نام وہ باعظمت ہے کہ اس کی ابتدا اور انتہا میں معرفت کا نور ہی نور ہے۔ لیکن اسم الٰہی کا بار خلاص پڑھنا دل کے مطلب میں غرق ہونا ہے۔ جس طرح علماء کتاب کے مطالعہ میں مصروف ہوتے ہیں۔ عارفوں کے لئے یہ بمنزلہ پر و بال کے ہیں۔

غزل۔ شبِ معراج سِرّ وحدت ہے

قوسین میں کونین سمایا شبِ معراج	ہر چیز کو معراج میں پایا شبِ معراج
خود اپنا جمال اپنی نظر آئینہ اپنا	کچھ غیر نہ دیکھا نہ دکھایا شبِ معراج
دن رات سے آزاد ہوا دورِ زمانہ	مرکز ہی پہ محور سمٹ آیا شبِ معراج
وہ ارض و سمٰوٰت کے اقطار سے نکلے	سلطان تھا اللہ کا سایہ شبِ معراج

لہ بابا ذہین شاہ تاجی

یہ عالم وحدت ہے کہ ہے وحدت عالم ‌ ‌ ‌ جز ذات نہ اپنا نہ پرایا شبِ معراج
بے واسطہ محبوب و محب میں ہوئیں باتیں ‌ ‌ ‌ جبرئیلؑ کو کبھی منہ نہ لگایا شبِ معراج
تھے ظاہر و باطن میں محمدؐ ہی محمدؐ ‌ ‌ ‌ اوّل کو جب آخر سے ملایا شبِ معراج

پیران پیرؒ صاحب فرماتے ہیں:۔" میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا میں کہہ رہا ہوں کہ اے اپنے دل میں اپنے پروردگار کے ساتھ اپنے نفس کو شریک کرنیوالے اور اپنے ظاہر میں اس کی خلقت کو اس کے ساتھ شریک کرنیوالے اور اپنے عمل میں اپنے ارادہ اور خواہش کو شریک کرنیوالے! تو میرے پاس سے ہی ایک شخص بول اٹھا۔ کہ یہ کیسا کلام ہے اور اس کا مطلب کیا ہے۔ تو میں نے جواب دیا کہ یہ معرفت الٰہی کی ایک قسم ہے۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ کی معرفت اور شناخت جبھی ہو سکتی ہے کہ اپنے نفس، خلقت اور ارادہ وغیرہ کو فنا کر دیا جائے۔
ایک دن مجھے کام نے تنگ کیا اور میرے نفس نے اس کے بوجھ کے نیچے جنبش کی۔ اور اس نے آرام و کشائش اور اس سے نکلنے کی کوشش کی۔ تو مجھے کہا گیا کہ تو کیا چاہتا ہے؟ تو میں نے کہا ایسی موت چاہتا ہوں جس میں زندگی نہ ہو۔ اور ایسی زندگی کی خواہش کرتا ہوں جس میں موت نہ ہو۔ اس کے بعد پھر مجھے کہا گیا کہ وہ کون سی موت ہے جس میں زندگی نہیں۔ اور وہ کون سی زندگی ہے جس میں موت نہیں۔ میں نے جواب دیا کہ وہ موت جس میں زندگی نہیں خلقت میں سے اپنے ہم جنسوں سے میرا مرنا اور فنا ہو جانا ہے۔ پس نفع نقصان پہنچانے میں ان کی ہستی نہ دیکھوں۔ اور اپنی دنیا و آخرت میں اپنے نفس، ہوا و ہوس اور ارادہ و خواہش سے میرا مر جانا ہے۔ پس ان سب چیزوں میں نہ میں زندہ رہوں اور نہ پایا جاؤں۔
اور وہ زندگی جس میں موت نہیں اپنے پروردگار کے فعل کے ساتھ میرا جینا ہے۔ اور اس فعل میں میرا وجود اور ہستی کچھ نہ ہو۔ اور اس فعل میں میرا فانی ہو جانا ہی دراصل خداوند تعالیٰ کے ساتھ میری ہستی اور وجود کا باعث ہے پس جب سے مجھے عقل آئی ہے! اور میں نے حقیقت کو سمجھا ہے یہی ارادہ اپنے کئے ہوئے اراردوں سے بہت نفیس اور قیمتی تھا۔[1]
جناب حضرت پیران پیر صاحبؒ نے کیا خوب فرمایا ہے۔ کہ جب سے مجھے یہ عقل آئی ہے اور میں نے حقیقت کو سمجھا ہے۔ یعنی توحید آئی اور مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا ہو گیا۔ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ سمجھا تو یہی ارادہ اپنے کئے ہوئے ارادوں سے بہت نفیس اور قیمتی تھا۔
"جو لوگ ناقص ہیں وہ حروف میں صرف سیاہی دیکھتے ہیں۔ یا حرف یا ان کے معنے حرف یا معنے دونوں کو ایک ہی وقت میں ان کی نظر محیط نہیں ہو سکتی اور جو کامل ہیں وہ ایک ہی وقت میں دونو جانب

[1] فتوح الغیب۔ حضرت عبدالقادر جیلانیؒ

نگاہ رکھتے ہیں۔ تَطْہِیْرُ الْقَلْبِ عَنْ مَا سِوَی اللّٰہ کو اصل مقصود سمجھتے ہیں۔[1]

غیر اللہ سے فانی ہونے کے بعد فنا فی التوحید کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے

اے سالک! اس بات کا طمع و آرزو مت کر کہ تو روحانیوں کے گروہ میں داخل ہو جائے جب تک کہ تو اپنی ذات کا دشمن نہ بن جائے۔ (گناہ اور خدا تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کرنے میں) تو اپنے اعضاء و جوارح سے جدا نہ ہو جائے۔ اور اپنی ہستی سے، اپنی حرکات و سکنات اپنی شنوائی و بینائی، گویائی اور گرفت سے اور اپنی رفتار، عمل و عقل سے اور ان تمام چیزوں سے جو جسم میں روح داخل ہونے سے پہلے تھیں۔ اور جو روح داخل ہونے کے بعد پائی گئیں سب سے تو اکیلا اور علیحدہ نہ ہو جائے کیونکہ یہ تمام چیزیں تیرے پروردگار سے تیرا پردہ بنی ہوئی ہیں اور خداوند تعالیٰ کے قرب سے محروم رکھنے والی ہیں پس جب تو محض روح بن گیا اور اغیار کی نظروں سے پوشیدہ ہو گیا اور چھپ گیا۔ اور اپنی پوشیدگی اور بھید میں سب چیزوں سے جدا ہو گیا اور ہر چیز کو تو دشمن، پردہ اور تاریکی سمجھنے لگا جیسے کہ حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ نے فرمایا فَاِنَّھُمْ عَدُوٌّ لِّیْ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ (اللہ کے سوا وہ بت میرے دشمن ہیں) حضرت ابراہیمؑ نے یہ بات بتوں کیلئے فرمائی تھی پس تو اپنے سارے جسم اور اجزا کو تمام خلقت کے ساتھ ساتھ بت سمجھ لے اور ان میں سے کسی چیز کی بھی فرمانبرداری نہ کر پس اس وقت تو اسرار و علوم لدنیہ اور ان کے عجائبات کا امین بنا دیا جائیگا۔ اور تکوین یعنی پیدا کرنا، اور خوارق عادات یعنی کرامات تیری طرف پھیر دی جائیں گی اور تیرے سپرد کر دی جائیں گی۔ وہ کرامات اس قدرت اور طاقت کی قسم سے ہیں جو بہشت میں مومنوں کو حاصل ہوں گی۔ اور تو اس حالت میں ایسا ہو جائے گا کہ گویا تو آخرت میں مرنے کے بعد پھر زندہ کیا گیا ہے۔ پس تیرا سارا وجود قدرت الٰہی کا مظہر بن جائے گا تو خدا تعالیٰ کے ساتھ سنے گا۔ خدا کے ساتھ تو دیکھے گا۔ خدا کے ساتھ بولے گا۔ خدا کے ساتھ تو پکڑے گا، خدا کے ساتھ تو چلے گا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تو عقل کرے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تو سکون و آرام پائے گا۔ پس تو غیر اللہ سے اندھا اور بہرا ہو جائے گا۔ اور غیر اللہ کی کوئی ہستی تجھے نظر نہ آئے گی۔ بشرطیکہ تو حدود الٰہی کو نگاہ رکھے اور اوامر و نواہی شرعیہ پر پورا پورا قائم رہے۔

---

[1] فتوح الغیب

تو او نشوی ولے گر جہد کنی   جائے برسی کز تو توئی برخیزد

ترجمہ:- تو وہ نہیں ہوتا لیکن اگر تو کوشش کرے تو وہاں پہنچ جائے جہاں تجھ سے تیرا ہونا (تیری ہستی) اٹھ (ختم ہو) جائے۔

اگر حدود اللہ سے کوئی چیز کٹ گئی اور ضائع ہو گئی تو جان لے کہ تو فتنہ و بلا میں ڈال دیا گیا ہے اور تیرے ساتھ شیطان کھیل رہے ہیں پس شریعت کے حکم کی طرف رجوع کر اور اسے لازم پکڑ۔ اور اپنی ہوا و ہوس کو چھوڑ دے۔ ہر وہ حقیقت جس کی گواہی شریعت نہ دے وہ بے دینی اور کفر ہے۔"[1]

اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کی حقیقت

"اے سالک! جب تو خدا تعالیٰ تک پہنچ گیا اور اس کی توفیق و تقریب سے اس کے قریب کر دیا گیا اور خدا تعالیٰ تک پہنچنے کے یہ معنی ہیں کہ تو خلقت، ہوا، ارادہ، اور خواہش سے نکل جائے اور خدا تعالیٰ کے فعل اور ارادہ پر ثابت قدم ہو جائے بغیر اس کے کہ تجھ سے کوئی حرکت و جنبش نہ پائی جائے اور جس میں نہ تیری تدبیر کا کوئی دخل ہو اور نہ ہی تیری ذات کے ساتھ خلقت کا کوئی تعلق ہو بلکہ جو حرکت اور تدبیر تو کرے اسی خداوند تعالیٰ کے حکم، فعل اور امر کے ساتھ ہو۔ پس یہی فنا کی حالت ہے جس کو وصول الی اللہ یعنی خدا تعالیٰ تک پہنچنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ تو خدا تعالیٰ تک پہنچنا اس کی خلقت میں سے کسی شخص تک پہنچنے کی طرح جانا بوجھا ہوا نہیں کیونکہ اس کی مانند کوئی چیز نہیں اور وہ سننے والا، دیکھنے والا ہے۔ وہ خالق اس بات سے پاک و برتر ہے کہ مخلوقات کے ساتھ اس کی تشبیہ دی جا سکے۔ یا اس کی بنائی ہوئی چیزوں پر اس کا قیاس کیا جا سکے اس تک پہنچنا اس کی پہچان کرا دینے کے ذریعہ سے پہنچنے والوں کو معلوم ہے۔"[2]

اے طالب صادق! دیکھ **"توحید کا راز"** حضرت مولینا رومؒ نے کیا خوب فرمایا ہے:-

"حضرت موسیٰؑ اور فرعون دونوں تابع معنی ہیں"

"تابع معنی ہیں فرعون و کلیمؑ   وہ ہے گمراہ ان کا راستہ مستقیم
دن کو زاری کرتے تھے موسیٰ سنو   روتا تھا فرعون آدھی رات کو
اے خدا گردن میں یہ کیسا ہے طوق   کیوں انانیت کا ہوتا ورنہ شوق

[1] فتوح الغیب [2] فتوح الغیب

جس سے موسیٰؑ کو منوّر کر دیا ‏ اس سے کیوں مجھ کو مکدّر کر دیا

چاند سے بہتر نہ تھا تارا مرا ‏ جب کہ وہ گہنا گیا چارہ ہے کیا

رب و سلطان کہتے ہیں ناحق شناس ‏ یا گہن کے وقت یہ بجتا ہے طاس

پیٹتے ہیں طاس غل کرتے ہوئے ‏ چاند کو کرتے ہیں رسوا جان کے

ہیں کہ ہوں فرعون مغرور اناس ‏ ربی الاعلیٰ ہے مجھ کو زخم طاس

ایک سے بندے ہیں دونوں اے خدا ‏ چیرتا ہے شاخ کو تیشہ تیرا

کرتا ہے اک شاخ کو پیوند تو ‏ اور معطل دوسری کو مو بمو!

شاخ کو تیشے پہ کچھ قدرت نہیں ‏ جبر سے اس تیشے کی مہلت نہیں

اپنی قدرت سے جو تیشہ ہے تیرا ‏ داست کر میری کجی کو اے خدا

پھر کہا فرعون نے دل میں عجب ‏ "ربنا" کہتا نہیں میں ساری شب

رہتا ہوں خلقت میں با امید و بیم ‏ مجھ کو ہو جاتا ہے کیا پیش کلیمؑ

وس تہیں ہوں کھوٹے سونے پر اگر ‏ آگ کے آگے ہوں کالی سر بسر

کیا نہیں محکوم ان کے جسم و جاں ‏ گاہ پنا ہے مغز گاہے استخواں

چاند کو کرتا ہے دم بھر میں سیاہ ‏ کون کر سکتا ہے یہ غیر از الٰہ

سبز ہو جاؤں اگر دے حکم کشت ‏ زرد ہو جاؤں اگر کہدے وہ زِشت

ہم تو حکم کن فکاں کے سامنے! ‏ ہیں مکاں و لامکاں میں دوڑتے

چونکہ بے رنگی اسیرِ رنگ ہو ‏ موسیٰؑ و موسیٰؑ ہیں باہم جنگ ہو

پہنچی بے رنگی جو ہے اصلِ نہاد ‏ موسیٰؑ و فرعون کا ہو اتحاد!

اعتراض اس پہ تجھے ہو گر کہیں ‏ رنگ قیل و قال سے خالی نہیں

رنگ بے رنگی سے جب پیدا ہوا ‏ رنگ بے رنگی میں پھر جھگڑا ہے کیا؟

(منظوم ترجمہ مثنوی رومیؒ)

یہ ایسا ایک ہے کہ یہ سارے کا سارا کچھ بھی نہیں ۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ہ یہ بے صورتی سے آتا ہے پھر بے صورت ہی ہو جاتا ہے ۔ جہاں سے آیا تھا وہاں ہی چلا گیا ۔ معرفت ایک حیرت ہی حیرت ہے اور کچھ نہیں ۔ مثلاً کسی انسان سے پوچھا جائے کہ تیرے اس وجود کو کس نے بنایا ہے تو وہ کہے گا کہ خدا نے بنایا ہے ۔ پھر اس سے پوچھا جائے گا کہ تیرا اس وجود میں کیا حصّہ ہے جو یہ تیرا بڑا دعویٰ ہے کہ میں بھی کوئی چیز ہوں یہی بڑا شرک ہے ۔ جو اپنی ہستی موہومی کو مستقل سمجھ لیا ہے خدا وحدہٗ لاشریک ہے یہ غیر اعتباری ہے حقیقی غیر کوئی نہیں ہے ۔ یہی انسان کی ہلاکت ہے ۔ انسان اپنے دوزخ کا آپ ہی بالن (ایندھن) ہے ۔ یعنی یہی عذاب ہے ۔ اپنی ہستی مستقل کا جو میں میں کرتا ہے اپنے کسب اور تدبیر پر ڈٹا ہوا ہے ۔ خدا کو فاعل حقیقی نہیں جانتا ۔ اسم کے طور پر خدا کا نام لیتا ہے یا یوں کہو کہ تقلیدی ایمان ہے تحقیقی نہیں ہے

دوئی دور کرو کجھ ہور نہیں   سب ساہد دِسّن کوئی چور نہیں

جس وقت انسان بے رنگی سے رنگ کی قید میں ہو جاتا ہے تو اس وقت اگر دو پیغمبر بھی ہیں تو وہ الگ تھلگ ہو جاتے ہیں ۔ شرک ایسا ہی بُرا مرض ہے (فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ) یہ تمام جہان اضداد ہے اور کوئی فساد نہیں ۔ جب تک حضرت نبی کریمؐ کی محبت اور تقلید نہ کریگا خدا کو ہرگز نہ پائیگا ۔ قرآن شریف شاہد ہے ۔

بزرگانِ دین کے اقوال

۱ ۔ کلمہ توحید کا اس طرح سمجھ جس طرح تو پیدا ہونے سے پہلے تھا ۔

۲ ۔ جو صاحب ارشاد ہوتا ہے اس کی ہر بات میں جان پڑ جاتی ہے ۔

۳ ۔ توکل ایسا ہے جیسا کہ بچہ ماں کی گود میں ہوتا ہے ۔

۴ ۔ توکل کا دوسرا نام توحید ہے ۔

۵ ۔ نفس پلید بر تن جامۂ پاک چہ سود   در دل ہمہ شرک است سجدہ بر خاک چہ سود

ترجمہ :- نفس پلید پر پاک صاف لباس پہننے سے کیا فائدہ ۔ اسی طرح دل میں شرک رکھ کر زمین پر سجدہ کرنے سے کیا فائدہ ۔

۶ ۔ اللہ باوجود اپنی دوری کے نزدیک ہے اور باوجود نزدیکی کے دور ہے (بابا عطارؒ)

۷ ۔ اگر حق تعالےٰ غائب ہے تو غائب کا ذکر بھی غائب ہے اور یہ حرام ہے (حضرت شبلیؒ)

۸ ۔ قرآن شریف ذات محض ہے ۔

۹ ۔ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی کا قول ہے کہ سب ریاضتوں سے بہتر یہ ہے کہ میدان توحید میں سفر کرتا رہے اور اپنی ہمت کو حق تعالیٰ پر صرف کرے اور ایسا نہ ہو کہ جس آنکھ سے اس کو دیکھتا ہے اسی سے اس کے غیر کو دیکھے ۔ ایسا کیا تو خدا کی نظر سے گر جائے گا ۔

۱۰ ۔ امام قشیری فرماتے ہیں کہ اسلام پر کوئی عہد ایسا نہیں آیا کہ جس میں طبقہ صوفیہ کا کوئی ایسا بزرگ موجود نہ ہو جسکا مرتبہ توحید و معرفت میں بلند نہ ہو علمائے اور آئمہ اسکے مطیع نہ ہوں ۔ اور اسکی برکت کے طالب نہ ہوں

۱۱ ۔ حضرت ابراہیم ادہمؒ نے فرمایا ہے کہ اگر تو ولی ہونا چاہتا ہے تو دنیا و عقبیٰ کسی چیز کا طالب نہ ہو اپنے نفس کو حق تعالےٰ کے لئے فارغ رکھ اور اسی کی طرف متوجہ رہ ۔

۱۲ ۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ معرفت کو ہزار سال کی عبادت پر فضیلت ہے ۔

۱۳ ۔ سید اشرف جہانگیرؒ فرماتے ہیں کہ دل میں عرفان کی بنیاد اور معرفت کا لباس اگر یہ ریاکاری ہی ہو بہتر ہے

۱۴ ۔ وہ عابد جو عارف نہ ہو اسکی مثال پن چکی کے گدھے کی سی ہے جو نہیں جانتا کہ وہ کیا کر رہا ہے (جنیدؒ)

۱۵ ۔ ابو علی دقاق سے کسی نے پوچھا کہ درویشوں کے کلمات سننے سے کیا حاصل ہے کہ جب ہم لوگ ان جیسے کام نہیں کرتے آپ نے فرمایا ۔ مرد ہو تو ہمت قوی ہو جاتی ہے ۔ اور نامرد ہو تو مرد ہو جاتا ہے ۔ مرد ہو تو فرد ہو جاتا ہے ۔ فرد ہو تو عین درد ہو جاتا ہے ۔

۱۶ ۔ شیخ الاسلام جامیؒ نے وصیت فرمائی کہ پیر سے ایک نصیحت یاد رکھو اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو اس کا نام ہی یاد رکھو اس سے بھی فائدہ پہنچے گا ۔

۱۷ ۔ حضرت مولیٰنا رومؒ نے اپنے وصال کے وقت دوستوں کو غمزدہ دیکھ کر کہا کہ میں یہ جسم نہیں ہوں کہ جو کہ تم کو نظر آتا ہوں بلکہ میں وہ ذوق و شوق ہوں جو تمہارے دلوں میں میرے کلام سے پیدا ہوتا ہے جب یہ ذوق و شوق دل میں پیدا ہو تو اس کو غنیمت جانو اور شکر کرو کہ میں تم میں موجود ہوں ۔

۱۸ ۔ حدیث قدسی ۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَلَا یَنْظُرُ اِلٰی اَعْمَالِکُمْ وَلٰکِنْ یَّنْظُرُ فِیْ قُلُوْبِکُمْ وَنِیَّاتِکُمْ (ترجمہ) اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور اعمال کی طرف نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں اور نیتوں کو دیکھتا ہے) ۔

۱۹ ۔ قولہٗ تعالیٰ ۔ مَا جَعَلَ اللّٰہُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَیْنِ فِیْ جَوْفِہٖ (ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے انسانی قلب میں دو دل نہیں بنائے)

۲۰ ۔ واضح رہے کہ اسم اللہ کا تصور حجاب کو پھاڑ دیتا ہے اور ایک لحظہ میں وحدت حق کو پہنچا دیتا ہے ۔ طالب کا وجود طلسمات کی طرح ہے جسے کوئی نہیں کھول سکتا، چنانچہ آدمی کا وجود معمے کی طرح ہے پس صاحب معمہ کو چاہیئے کہ جس طرح اسم اور مسمّیٰ ایک ہو جاتے ہیں ۔ وہ بھی اسی طرح ایک ہو جائے اس وقت صاحب معمہ کامل ہو جائے گا ۔

۲۱ ۔ حدیث ۔ لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ (ترجمہ) حضوری قلب کے بغیر کوئی نماز قبول نہیں ہوتی ۔

۲۲ ۔ حدیث ۔ آرام کے دس حصے ہیں جن میں سے نو حصے چپ رہنا ہے باقی دسواں حصہ تنہائی ہے ؏
ایک خاموشی سے ٹلتی ہیں ہزاروں مشکلات جو رہا خاموش گویا مل گئی اس کو نجات

۲۳ ۔ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی موجود، معبود، خالق، رازق، واحد، سمیع اور بصیر نہیں ہے ۔

۲۴ ۔ جسے تو عطا فرمادے اسے کوئی نہیں روک سکتا ۔ اور جسے تو روکے اسے کوئی عطا نہیں کر سکتا ۔

۲۵ ۔ فقیری سیّد یا قریشی ہونے پر موقوف نہیں ۔ یہ صرف عرفان سے ہی حاصل ہوتی ہے (سلطان باہوؒ)

۲۶ ۔ پیغمبر خداؐ فرماتے ہیں کہ سب سے سخت تین کام ہیں ۔ اوّل ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا ۔ دوم مومن بھائی سے صلح کرنا ۔ سوم نفس سے نفاق کرنا ۔

۲۷ ۔ الف اللہ اندر روح ہووے اَن تَن اِن بن اُن ٹن کیا
طبل طنبور بلبل وچ ہووے ٹن ٹن ٹن ٹن ٹن کیا
جیکر مہر رحمت دا ہووے کن تن کن رن کن بن کیا
بلھیا فضل اللہ دا ہووے جمعہ خمیس تے چھن کیا
ہکو حرف حقیقت والا سانوں نال استاد پڑھایا
نال اوہ عرش معلیٰ اتے نال اوہ وچ قرآن کتاباں آیا
نال اوہ بھید نال شاستراں وچ نال اوہ کسے پڑھایا
بلھے شاہ نوں مرشد ملیا اس طاقت رحمانی نال سمجھایا

۲۸۔ از حضرت غوث علی شاہ قلندرؒ :۔ کہ "جب مجنوں عاشق ہوا اور عشق مشتہر ہوا تو امتحان کے لئے لیلیٰ نے ایک آدمی بھیجا کہ مجنوں سے ایک پاؤ گوشت مانگ لاؤ۔ اس نے مجنوں کو یہ پیام سنایا۔ پوچھا کہ کہاں کا گوشت طلب کیا ہے۔ اس نے جا کر لیلیٰ کو بتایا۔ کہا ابھی کچا ہے۔ مرتبہ ناسوتی سے آگے نہیں بڑھا۔ کچھ مدت کے بعد پھر ایک آدمی بھیج کر گوشت طلب کیا تو مجنوں نے جواب دیا کہ کاٹ لے جاؤ۔ اس نے یہ جواب بھی لیلیٰ کو جا کر سنایا۔ کہا کہ ہاں اب عشق میں آیا ہے۔ اور یہ مرتبہ ملکوتی ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد انا لیلیٰ کہنے لگا۔ جس طرح شاہ منصورؒ نے انا الحق کہا تھا۔ یہ مرتبہ جبروتی اور فنا فی العشق ہے چند روز کے بعد صرف لیلیٰ لیلیٰ کہنا شروع کیا۔ یہ مرتبہ لاہوت و توحید ہے۔ بعد اس کے گم گشتگی پیدا ہوئی نہ لیلیٰ یاد رہی نہ مجنوں۔ یہ مرتبہ یاہوت ہے نہ خود نہ خودی نہ خدا۔ کچھ باقی نہ رہا۔ نہ ذکر نہ ذاکر نہ مذکور رہا"[1] جس وقت درویش تقلید سے تحقیق میں اور مجاہدہ سے مشاہدہ میں اور وحدت مقید سے وحدت مطلق میں جاتا ہے۔ تو اس کا حال بھی ویسا ہی ہو جاتا ہے جیسے کہ اوپر حکایت بیان ہوئی ہے۔

۲۹۔ حضرت مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ انسان میں جو صفت فنا پذیر ہے وہ صرف ہوش و ادراک ہے۔ استخوان اور گوشت پوست کی نفی سے کچھ فائدہ نہیں۔ البتہ بعض اوقات کمال مجاہدہ میں اضمحلال کا اثر ان پر بھی ہو جاتا ہے۔ فنا اور آثارِ امکان کے اضمحلال کی مثال حضرت مولوی جلال الدین رومیؒ نے یوں لکھی ہے:۔ (صرف ترجمہ لکھا جاتا ہے) یعنی درویش کی ذات باقی ہے اس کے اوصاف ذات باری میں فنا ہو گئے جس طرح شمع کا شعلہ آفتاب کے سامنے نیست بھی ہے اور ہست بھی۔ نیست اس حیثیت سے ہے کہ آفتاب کے سامنے اس کا نور نظر نہیں آتا اور ہست اس حیثیت سے ہے کہ جب اس پر پنبہ رکھا جاتا ہے تو جل جاتا ہے۔ دو من شہد میں ایک اوقیہ سرکہ ڈال دو گے تو بلحاظ ذائقہ کے نیست ہو گا مگر جب وزن کرو گے تو اس کا وجود ثابت ہو جائے گا۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ذات دو ہیں۔ ایک عدم دوسری وجود۔ عالم کی ذات عدم محض ہے اور حق کی ذات وجود محض۔ عدم کبھی وجود میں نہیں آ سکتا اور وجود کبھی عدم نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ انقلاب ماہیت محال ہے۔ چونکہ عدم خود معدوم ہے اس لئے فی الحقیقت ذات ایک ہی ہے اور جن کو ذات متعددہ خیال کیا جاتا ہے فی الواقع اسی ذات کی صفات ہیں۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ ذات فقط ایک ہے اور اس کے واسطے فنا نہیں تو فنا سے مراد فناء ذوات سمجھنا صریحاً

[1] تذکرہ غوثیہ

غلطی ہے ۔ جب یہ بھی متحقق ہو گیا کہ ذات فقط ایک ہی ہے اور یہ جو ہیں متعدد ذوات دکھائی دیتی ہیں یہ اسی ذات کی شیون و صفات ہیں تو پھر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس ذات کی شیون و تجلیات ہر لحہ و ہر آن نئی ہیں، فنا سے ان کا کوئی تعلق نہیں ۔ وہ خود ہی پائیدار نہیں ہیں اور ہستی حق و سبحانہ تعالیٰ اس کے برعکس ہے اسکے واسطے کوئی تغیر و تبدل نہیں ہے ۔۔ ۔ صفات دو قسم ہیں یا صفات کمال یا صفات نقصان ۔ صفات کمال جس قدر ہیں ان کا تعلق ذات اقدس سے ہے اور وہ عین ذات ہونے کی وجہ سے قدیم اور لازوال ہیں اور جس قدر صفات نقصان ہیں ان کا تعلق کثرت وہمی کے ساتھ ہے یہ کثرت وہمی فی الحقیقت کثرت نہیں بلکہ ہمارے وہم نے پیدا کر رکھی ہے پس جو کچھ نقص ہے صرف وہم ہے جو فقط انسان میں پایا جاتا ہے ۔ یہ انسان ہی ہے جو ہستی اور ذات کو جو حق کی ہے اپنی ہستی سمجھتا ہے اور حق کی صفات کو اپنی صفات اور حق کے افعال کو اپنے افعال سمجھتا ہے اور میں و تو میں غرق ہے یہی وہم ہے جس کو فنا کرنا مقصود ہے ۔

۳۰ ۔ حضرت مولینا جامیؒ قدس سرہٗ لوائح میں فرماتے ہیں کہ فنا یہ ہے کہ استیلائے ظہور ہستی حق سے جو عارف کے باطن پر ہو ماسوی کا شعور باقی نہ رہے اور فناءِ فنا یہ ہے کہ اس بے شعوری کا بھی شعور نہ رہے ۔

۳۱ ۔ مراتبِ فنا ۔ سید محمد حسین کانپوری لکھتے ہیں کہ فناء جو فقر کے مقامات و حالات میں سے سب سے اعظم اور عرفان کا رکن اعلیٰ ہے تین قسم ہے :-

(۱) فنا فی الافعال (۲) فنا فی الصّفات (۳) فنا فی الذّات

(۱) فنا فی الافعال یہ ہے کہ سالک اپنا اور جمیع عالم کا اختیار چھوڑ دے یعنی حرکات و سکنات اور افعال و اقوال جو اس سے پیشتر اپنی طرف یا دوسرے کی طرف منسوب کرتا تھا اور اپنے یا دوسروں کے قول و فعل جانتا تھا سب کو حق کی طرف منسوب کرے اور اپنے حرکات و سکنات کو حق کی طرف اس طرح منسوب کرے کہ گویا کنجی ہے جو دوسرے کے ہاتھ سے حرکت کر رہی ہے یا مردہ غسال کے ہاتھ میں حرکت کر رہا ہے ۔ یعنی بذاتِ خود اس کی کوئی حرکت نہیں قدرت جدھر حرکت دیتی ہے جنبش کرتا ہے کسی چیز کی نسبت غیر کی طرف نہ کرے ۔ صوفیہ کرام کے نزدیک غیر کی طرف نسبت کرنا شرک ہے ۔

لہ غالب ہونا ۔

رباعی۔ صیادِ ازل کہ دانہ در دام نہاد — مرغے بگرفت و آدمش نام نہاد
ہر نیک و بدے کہ در جہاں میگزرد — خود می کند و بہانہ بر عام نہاد

ترجمہ:۔ ازلی شکاری نے جال میں دانہ رکھا — ایک پرندہ پکڑا اور اس کا نام آدم رکھا
جو کچھ نیک و بد جہاں میں گزرتا ہے — وہ خود کرتا ہے اور بہانہ (الزام) عوام پر رکھتا ہے)

آیت کریمہ: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ اس فنائے افعال کا بہتر ظاہر کرتا ہے۔ چونکہ افعال واقوال کو اپنی طرف منسوب کرنا ایک وسوسہ شیطانی ہے۔ اس لئے صوفیہ کرام اس آیت مقدسہ کا مفہوم ذہن میں حاضر کرکے اور زبان سے تلفظ کرکے اس وسوسہ کو دور کرتے ہیں۔

(۲) فنائی الصّفات:۔ یہ ہے کہ سالک اپنے اور دوسرے کے جمیع صفات کو حق کے صفات جانے یعنی اپنی اور دوسروں کی صفات کو جو علم، ارادت، مشیّت اور قدرت وغیرہ ہیں جن کو پہلے اپنی یا دوسروں کی صفات جانتا تھا حق کی صفات جانے اور ہرگز اپنی طرف اور غیروں کی طرف منسوب نہ کرے کہ یہ بھی صوفیائے کرام کے نزدیک شرک ہے اسی کی صفت با کمال ہے جو اسامی متنوعہ میں جلوہ گر ہے۔

حکایت

جس وقت سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی قدس سرّہٗ السّامی نے دار فنا سے دار البقا کو رحلت فرمائی ان کی روح مقدس کو حضرت قدس سے خطاب ہوا کہ اے بایزید! ہماری درگاہ میں کیا تحفہ لایا ہے؟ عرض کیا کہ اے پروردگار والتوحید ادلہ تو میں کچھ نہیں لایا صرف تیری توحید لایا ہوں اور دنیا میں بھی تیری ہی توحید بیان کرتا رہا ہوں۔ جواب آیا کہ الا لیلۃ اللّبن۔ کیا دودھ کی رات لے کر ہمارے پاس نہیں آیا۔ یعنی ایک رات تو نے دودھ پیا تھا تیرے پیٹ میں درد ہوا کسی نے پوچھا تم نے رات کو کیا کھایا تھا۔ تو نے جواب دیا تھا کہ رات کو دودھ پیا تھا تو اس سے درد شکم پیدا ہوگیا۔ درد شکم کو دودھ کی طرف منسوب کیا۔ اور دعویٰ کرتا ہے کہ توحید کا تحفہ لایا ہوں ؎

نکو گوئی نکو گفتست بالذّات — کہ التوحید اسقاط الاضافات

ترجمہ:۔ ذات کے متعلق کسی اچھا کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے۔ کہ کثرت دور کرنے کو توحید کہتے ہیں۔

سبحان اللہ سلطان العارفین ؒ ایک دفعہ غیر کی نسبت کرنے سے مشرک قرار دیئے گئے تو دوسروں کا کیا حال ہوگا جو رات دن اسی بلا میں مبتلا رہتے اور غیروں کی طرف ہزاروں نسبتیں کرتے ہیں۔ اسی واسطے اللہ جلّشانہٗ نے فرمایا ہے۔ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُوْنَ ؕ یعنی اکثر لوگ جو اللہ پر ایمان لائے ہیں درحقیقت مشرک ہیں ؎

تا رہبر نیست عادت خویش   مردود و منافقی نہ درویش

ترجمہ:۔ جب تک رہبر نہیں ہے اپنی عادت ہے تو مردود اور منافق ہے درویش نہیں ہے۔

(۳) **فنا فی الذات**:۔ یہ ہے کہ سالک اپنی ذات کو اور نیز تمام عالم کو ذات حق دیکھے اور یقین کرے کہ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے مرتبہ اطلاق سے نزول کر کے یہ شکلیں اور صورتیں جو نظر آ رہی ہیں اعتباری ہیں۔ کوئی شکل و صورت اس کے ماسوا نہیں ہے۔ سب وہی ہے کوئی غیر نہیں ہے ؎

ہر چہ بینی یار ہست اغیار نیست   غیر او جز وہم و جز پندار نیست

از جمال ھُوَ مَعَکُمْ جلوہ ہاست   لیک ہر کس لائق دیدار نیست

ترجمہ:۔ جو کچھ تو دیکھتا ہے دوست ہے غیر نہیں ہے۔ اس کا غیر سوائے وہم اور گمان کے نہیں ہے۔ ھُوَ مَعَکُمْ کے جمال سے تمام جلوے ہیں۔ لیکن ہر شخص دیدار کے لائق نہیں ہے۔

پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا ہے۔ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ۔ یعنی جس نے اپنے تئیں پہچانا (کہ میں حق ہوں اور صورت انسانی میں نمودار ہوا ہوں) اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ نیز فرمایا عَرَفْتُ رَبِّیْ بِرَبِّیْ۔ یعنی جب تک میں تھا رب کو نہیں پہچان سکا تھا۔ جب اپنے تئیں گم کر دیا اور حق جان کر اپنے تئیں فراموش کر دیا حق نے حق کو پہچان لیا ؎

تا تو ئی از خدا نیابی بو   خود نباشی خدا نماید رو

ترجمہ: جب تک تیری (اپنی) ہستی موجود ہے تو خدا کو نہیں پا سکتا۔ جب تو خود نہ ہوگا خدا اپنا چہرہ دکھائیگا۔

واضح ہو کہ فنا کے تینوں مراتب زبان سے بیان کر دینے بہت آسان ہیں۔ یہ کہہ دینا بہت سہل ہے کہ میرے اور تمام مخلوق کے افعال میرے اور مخلوق کے نہیں بلکہ ذات حق کے ہیں اور یہ کہہ دینا بھی

مشکل نہیں کہ ہمارے اور کل مخلوقات کے صفات سب خدا کے صفات ہیں ۔ یہ کہدینا بھی آسان ہے ۔ کہ بجمیع ذوات خدا کی ذات کی ہیں مگر اس کو مان لینا اور یقین کر لینا بہت مشکل ہے کیونکہ ہم صریحاً دیکھتے ہیں کہ ایک کام ہمارے ہاتھ سے نکلا ہے ۔ کھانا ہم نے کھایا ہے پانی ہم نے پیا ہے ۔ پھر کیونکر ہم یہ یقین کر لیں کہ یہ کام ہم نے نہیں کیا بلکہ کسی اور نے کیا ہے ۔ پھر یہ دوسرا شخص جسنے ہماری بجائے کھانا کھایا اور پانی پیا ۔ ایک خیالی شخص ہے ۔ جس کو نہ خود ہم دیکھ سکتے ہیں نہ کسی کو دکھا سکتے ہیں بلکہ اپنے منطقی دلائل سے ایسے شخص کو قائل ہی نہیں کر سکتے جو اس کے وجود کا منکر ہو ۔ پس جب ہم ایسے بودے دلائل کسی شخص کے سامنے پیش کریں جن پر خود کو بھی کامل یقین نہیں تو بیشک ہمیں وہ کہے گا کہ یہ تو پاگل اور دیوانے ہیں جو ایک ناممکن بات کو اپنی طرف منسوب کرتے ہیں ۔ علاوہ اس کے اگر ہم ایک دو منٹ کے واسطے سمجھ بھی لیں کہ ہم کچھ نہیں جو کچھ ہے وہی ہے تو یہ سمجھ نری سمجھ ہی ہے ۔ واقعی فنا ہونا اور موہومی ہستی کا وہم کلیتہً قطع کر دینا بہت مشکل ہے ۔ اس دشوار گذار راستہ میں قدم قدم پر ٹھوکریں کھانا پڑتی ہیں ۔ دم دم میں ہزاروں شبہات و خطرات پیدا ہوتے ہیں ۔ کبھی یہ خیال گذرتا ہے کہ جب لا فاعل فی الحقیقت الا اللہ ہے تو عذاب و ثواب کیا ہے ۔ جزا و سزا کیسی ہے ۔ کبھی انہیں خطرات میں پڑ کر سالک شریعت کا جوا اپنی گردن سے اتار دیتا ہے ۔ اور زندیق بن جاتا ہے ۔ اگر کسی سعادت مند نے یقین کر بھی لیا تو بجلی کی چمک کی طرح ایک لمحہ میں یہ یقین محو ہو جاتا ہے پس یہ منزل فنا بدون رہبری پیر کامل طے نہیں ہو سکتی اور صرف رہبری سے بھی کام نہیں نکلتا بلکہ مرشد کی عنایت و شفقت اس کام میں مقدم ہے ۔ فنا کے مراتب ہم نے تین بیان کئے ہیں :-

فنا فی الافعال ، فنا فی الصفات ، فنا فی الذات ۔ اگرچہ ان تینوں کا مرتبہ مشکل ہونے میں مساوی ہے ۔ پھر بھی فنا فی الذات کی منزل زیادہ تر دشوار گذار ہے ۔ اس لئے کہ اس میں بہت سے مقدمات مرتب کرنے پڑتے ہیں اور مجاہدہ بھی پہلی دو منزلوں کی نسبت سخت کرنا پڑتا ہے ۔ مشائخ متقدمین نے منزل فنا فی الذات کے طے کرنے کے واسطے چند ترتیبی قواعد لکھے ہیں ۔ ان پر عمل کرنے سے مقصود اعظم جو خدا شناسی و وصول الہٰی ہے ۔ جلد تر حاصل ہو جاتا ہے ۔ فنا فی الافعال اور فنا فی الصفات کی ترتیب بھی اسی میں درج ہے :-

ترتیب و قواعد فنا

سالک کو چاہیے کہ تمام عالم کو ایک آئینہ فرض کرے اور اس میں حق کا جمال ہمیشہ معائینہ کرتا رہے اور اس معائینہ میں ایسا منقید ہو جائے کہ ایک لحظہ بلکہ ایک لمحہ بھی دل سے فوت نہ ہونے پائے اور یہ خیال ایسا غالب ہو جائے کہ خواب میں کبھی فراموش نہ ہو سکے ؎

اے خنک جانے کہ در ہر آئینہ　　دید نا روئے یار در ہمہ آئینہ

ترجمہ: کیا ہی اچھا ہے وہ جس نے ہر آئینے میں محبوب حقیقی ہی کا چہرہ دیکھا۔

اس کیفیت کی انتہا میں طرح طرح کی چیزیں نمودار ہوں گی جس سے لذت گوناں گوں حاصل ہوں گی یہ تو مشاہدۂ جمال الٰہی کی شق ہے کہ تمام عالم کو خود حق دیکھے اور حق جانے اور ایسا تصور کرے کہ یہ سب حق ہی ہے۔ جو اشکال مختلفہ و صُوَرِ متنوعہ میں ظاہر ہوا ہے۔

هُوَ الظَّاهِرُ وَالبَاطِنُ

رباعی حضرت مولینا جامی رحؒ

اے غیر ترا لبوئے تو سیرے نہ　　خالی ز تو ہیچ مسجد و دیرے نہ
دیدم ہمہ طالبان و مطلوبان را　　آں جملہ توئی و در میان غیرے نہ

ترجمہ: اے وہ جس کے غیر کو تیری طرف سیر نہیں۔ تجھ سے خالی کوئی مسجد اور مندر نہیں۔ میں نے تمام طالبوں اور مطلوبوں کو دیکھا ہے۔ وہ تمام تو ہی تو ہے، درمیان میں کوئی غیر نہیں ہے۔

اس خیال میں اس قدر مداومت کرے اور ایسا مستغرق ہو جائے کہ کوئی دم اس تصور و خیال سے خالی نہ گذرے اس باب میں سعی بلیغ و کمال جد و جہد کرے بغیر سعی کے یہ مقصد ہرگز حاصل نہیں ہوتا سعی ہی ہے جو انسان کو مقصد میں کامیاب کرتی ہے۔ سعی کے یہ معنی ہیں کہ سالک کوشش کرکے مقام کمال پر پہنچے اور اس پہنچنے کو کم اور حقیر نہ جانے بلکہ غنیمت جانے اور جب اس سعی کے ساتھ علو ہمت بھی شامل ہو جائے تو اس مقام پر بھی اکتفا نہ کرے بلکہ اس سے برتر مقام پر پہنچے اور اس میں تمکن و تحقق پیدا کرے یعنی دو باتوں کی کوشش کرے ایک یہ کہ جس مقام پر پہنچ گیا ہے اس سے تنزل نہ کرے اور دوسری یہ کہ جس مقام

پر پہنچ گیا ہے۔ اس سے اعلیٰ اور برتر مقام پر پہنچے۔ اللہ جلّ جلالہٗ نے اسی سعی کی طرف آیت کریمہ میں فرمایا ہے۔ وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی۔ وَاَنَّ سَعْیَهٗ سَوْفَ یُرٰی۔ ثُمَّ یُجْزٰهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰی وَاَنَّ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰی۔ (ترجمہ:- اور یہ کہ آدمی کو وہی کچھ ملتا ہے جو اس نے کمایا اور یہ کہ اس کی کمائی اس کو دکھا دی جائے گی پھر اس کا بدلہ دیا جائیگا۔ اس کو پورا پورا بدلہ اور یہ کہ تیرے رب تک پہنچنا ہے۔)

اس تصور کے اثنا میں عجیب عجیب چیزیں نظر آئیں گی اور طرح طرح کی لذتیں حاصل ہوں گی۔ پھر اس مقام سے ترقی کر کے اعلیٰ و برتر مقام میں متمکن ہو اور وہ یہ ہے کہ اپنے تئیں درمیان سے اٹھا دے اور اپنی نفی و نیستی کرنے کی حالت میں ہستی حق کا اثبات کرے یعنی آنکھیں بند کر کے ایسا تصور کرے کہ جس چیز کو کہ میں جانتا تھا کہ میں ہوں وہ میں نہیں ہوں بلکہ حق ہے جو اس صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ اس تصوّر میں اس قدر مداومت و مواظبت کرے کہ اپنے تئیں اور تمام عالم کو فراموش کر دے اور اپنے تئیں اور تمام عالم کو حق دیکھے اور حق جانے اور اس کے باطن سے ہر دم یہ صدا بلند ہو ؎

سینہ میں لے کے قلزم قطرہ کا قطرہ ہی رہا ‍ ‍ ‍ ‍ بل بے سمائی تیری اف اے سمندر کے پور

جب یہ تصوّر غالب آتا ہے تو جسطرح دوسرے درجہ میں عالم کو فراموش کر دیا تھا اسی طرح اس درجہ میں اپنے تئیں فراموش کر دیتا ہے اس وقت حجاب اٹھ جاتا ہے اور دیکھنے والا اور دیکھا گیا ایک ہو جاتا ہے۔ بیخود اور از خود رفتہ ہونا اسی کیفیت کا نام ہے اور طالبوں کا مطلوب و مقصود یہی کیفیت ہے۔ فقیر حقیقی وہی ہے جس کو یہ کیفیت حاصل ہو۔ فنائے قلبی و نفسی و فنا فی اللہ و بقا باللہ کا یہی مقام ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

میرے دلی محبّ، میرے قلبی دوست، میرے بھائی خواجہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ دہلوی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دونوں جہان کی سعادت عطا فرمائے۔

بندہ مسکین معین الدین کی طرف سے سلام مسنونہ کے بعد واضح و لائح ہو کہ جو اسرار الٰہی کے چند ایک نقاط میں لکھتا ہوں یہ اپنے سچے مریدوں اور حق کے طالبوں کو سکھا دینا تاکہ وہ غلطی میں نہ پڑیں

عزیزِ من! جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا ہے وہ کبھی سوال یا خواہش یا آرزو نہیں کرتا۔ جس نے ابھی تک نہیں پہچانا وہ ان کی بات کو نہیں سمجھ سکتا دوسرے یہ کہ حرص و ہوا کو ترک کرو۔ جس نے حرص و ہوا کو ترک کیا اس نے مقصود حاصل کر لیا، چنانچہ ایسے شخص کے بارے میں اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے فرمایا ہے۔ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى (ترجمہ) جس شخص نے اپنے نفس کو خواہشات سے روک رکھا اس کا ٹھکانہ بہشت ہے۔ جس دل کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے پھیر دیا ہے اسے کثرتِ شہوات کے کفن میں لپیٹ کر زمینِ ندامت میں دفن کر دیا ہے، ایک روز سلطان العارفین خواجہ بایزیدؒ نے فرمایا کہ میں نے ایک رات اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا جس نے مجھ سے پوچھا بایزید کیا چاہتے ہو؟ میں نے کہا جو تو چاہتا ہے۔ خطاب ہوا کہ اچھا جس طرح تو میرا ہے اس طرح میں تیرا ہوں ؎

ہر کہ گردن منہد رضائے اُورا مر مرا حق نگہبان باشد

ترجمہ: جس نے اس کی رضا کے آگے گردن رکھ دی، حق اس کا خصوصی نگہبان ہوتا ہے۔

پس اگر تصوف کی ماہیت سے خوش ہونا چاہتے ہو تو اپنے پر آسائش کا دروازہ بند کر دو پھر زانوئے محبت کے بل بیٹھ جاؤ۔ اگر تم نے یہ کام کر لیا تو سمجھو کہ بس تصوف کے عالم ہو گئے، طالبِ حق کو یہ بات جان و دل سے بجا لانی چاہئے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ایسا کرنے سے وہ شرِّ شیطانی سے نجات پائیگا اور دونوں جہان کی مرادیں حاصل کرے گا۔ ایک روز شیخ صاحبؒ نے فرمایا! معین الدین کیا تجھے معلوم ہے کہ صاحبِ حضور کسے کہتے ہیں؟ دیکھو صاحبِ حضور وہ ہے کہ ہر وقت مقامِ عبودیّت میں ہو اور ہر ایک واقعہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف خیال کرے اور تمام عبادتوں کا مقصد یہی ہے۔ جسے یہ حاصل ہے وہ جہان کا بادشاہ ہے بلکہ جہان کا بادشاہ اس کا محتاج ہے۔ ایک روز میرے شیخ نے مجھے خطاب کر کے فرمایا کہ بعض درویش جو کہتے ہیں کہ جب طالب کمال حاصل کر لیتا ہے تو اسے گھبراہٹ نہیں رہتی یہ غلط ہے دوسرے یہ کہ جو کہتے ہیں کہ عبادت کرنا بھی اس کے لئے ضروری نہیں ہوتا یہ بھی غلط ہے، کیونکہ جنابِ سرورِ کائنات ﷺ ہمیشہ عبادت بندگی اور عبودیّت میں سربسجود رہے، باوجود کمال بندگی کے آخر یہ فرمایا کرتے تھے۔ مَا عَبَدْنٰكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ یعنی ہم نے تیری عبادت ایسی نہیں کی جیسا کہ حق تھا۔ یعنی کما حقہٗ

تیری عبادت نہیں کر سکتے اور نہایت عاجزی سے وردِ زبان تھا اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ۔ یعنی میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالٰی کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمدؐ اس کا بندہ اور بھیجا ہوا ہے۔ پس یقین کر لو کہ جب عارف کمالیت کا درجہ حاصل کرتا ہے تو اس وقت کمال درجہ کی ریاضت جس کا نام نماز ہے نہایت صدق دل سے ادا کرتا ہے اسی سے حضوری و آگاہی زیادہ حاصل ہوتی ہے بلکہ اخص الخاص یہی نماز ہے جب کوئی شخص یہ معلوم کر کے صدق سے کام لیتا ہے تو اسے ایسی پیاس معلوم ہوتی ہے۔ گویا اس نے آگ کے کئی پیالے پی رکھے ہیں، جوں جوں ایسے پیالے پیئے گا پیاس غلبہ کرتی جائے گی۔ اس واسطے کہ جمال لامتناہی کی انتہا نہیں۔ اس وقت اس کا سکون بے سکونی اور آرام بے آرامی ہو جاتی ہے تاوقتیکہ لقائے الٰہی سے مشرف نہ ہو جائے والسلام۔[1]

وصیت حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ

آپ کے بڑے صاحبزادے سیف الدین عبد الوہاب نے عرض کی کہ حضرت کچھ وصیت فرمائیے ارشاد ہوا کہ اللہ تعالٰی کے تقویٰ اور اطاعت کو اپنے اوپر لازم رکھو بجز اللہ کے کسی سے خوف نہ کھاؤ نہ امید رکھو تمام حاجتیں اللہ ہی کے سپرد کرو اور اسی سے طلب کرتے رہو اور بجز اللہ کے کسی پر اعتماد نہ رکھو اور اپنے اوپر لازم کر لو توحید کو، توحید کو، توحید کو، کہ اس پر سب کا اجماع ہے۔ " مخلوقات اور نفس سے فانی ہونے کا ثمرہ و نتیجہ "

خدا تعالٰی کے ساتھ تو ایسا ہو جا کہ گویا خلقت موجود نہیں۔ اور خلقت کے ساتھ شرعی حدود کی حفاظت اور حق کی رعایت کرتے ہوئے ایسا ہو جا کہ میرا نفس موجود نہیں، پس جب تو خلقت کے بغیر خدا تعالٰی کے ساتھ ایسا ہو جائے گا تو اپنے مولا کو پالے گا۔ اور باقی سے تو فانی ہو جائے گا۔ اور جب تو نفس کے بغیر خلقت کے ساتھ ہو جائے گا تو انصاف کر دیگا اور پرہیزگار بن جائے گا۔ اور گناہوں کی بدانجامیوں سے سلامت رہے گا۔ اور ہر چیز کو اپنی خلوت کے دروازے پر چھوڑ دے اور اکیلا اندر آ جا تو خلوت میں اپنی باطنی آنکھوں سے اپنے مونس کو دیکھ لے گا اور اس چیز کا مشاہدہ کریگا جو ظاہری آنکھوں کے

[1] ہفت مکتوبات حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ

دیکھنے سے بالاتر ہے اور نفس اور اس کے لوازمات دور ہو جائیں گے اور ان کی جگہ پر خداوند تعالیٰ کا امر اور اس کا قرب آ جائیگا۔ پھر اس وقت تیری جہالت دانائی بن جائے گی تیری دوری قرب، تیری خاموشی ذکر اور تیری نفرت انس ہو جائیگی۔ اے انسان وہاں مقام عبودیت میں صرف دو ہی چیزیں ہیں خالق یا مخلوق پس اگر تو نے اپنے خالق کو چن لیا ہے تو مخلوقات کے لئے کہدے فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّي إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ یعنی بیشک یہ سب میرے دشمن ہیں۔ مگر پروردگار عالم میرا دوست ہے۔

مقام برزخ

۱۔ برزخ کے معنی نہایت مختصر اور جامع یہ ہیں کہ وہ حدِّ فاصل بھی ہے اور وہی حد واصل بھی ہے۔ وہ دو الگ الگ چیزوں کو ملاتا بھی ہے اور دونوں کو خلط ملط ہو جانے سے بچاتا بھی ہے ۲۔ مثال کے طور پر سادہ سفید کاغذ پر جس پر میں لکھ رہا ہوں اس پر کچھ خط کھینچتا ہوں۔ مثالی خط

اس خط نے کاغذ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا مگر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ وہ خط جو حد فاصل ہے وہی حد واصل بھی ہے۔ وجود برزخ کو اس میں قیاس کر لیجئے قرآن مجید میں ہے۔ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ ۝ یہ وہی برزخ ہے جو دریائے مواج کو آپس میں ملاتا ہے۔ اور دونوں کے امتیاز و تشخص کو فنا ہو جانے سے محفوظ بھی رکھتا ہے۔ برزخ کا مفہوم قریب فہم کرنے کیلئے ایک مثال ملاحظہ کیجئے:۔

یہ تو معلوم ہے کہ آگ اور پانی ایک دوسرے کی ضد ہیں اب اگر ہم پانی گرم کرنا چاہیں تو ناممکن ہے کہ بغیر برزخ کے پانی گرم کیا جا سکے۔ وہ برزخ کیا ہے کوئی برتن ہے جس میں ہم پانی بھر کر آگ پر رکھتے ہیں۔ اس سے پانی آگ سے اکتساب حرارت کرتا ہے اور برزخ کے توسط سے صفت ناریہ قبول کرتا ہے، یہ برزخ نہ آگ کو پانی سے بجھنے دیتا ہے نہ پانی کو ضائع ہوتے دیتا ہے۔ ان صورتوں میں برزخ کو اوٹ، پردہ، حجاب بھی کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جو ماوراء حجاب کلام فرماتا ہے۔ اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ برزخ درمیان میں لازمی ہے۔

۳۔ علم ہندسہ میں صفر کوئی چیز نہیں مگر ایک کے ساتھ جس وقت صفر لگ جاتی ہے تو پھر ایک کے دس بن جاتے ہیں۔ خالق اور مخلوق میں یہی فرق ہے کہ جو چیز صفر ہے وہ بھی کوئی چیز بن گئی ہے جو اللہ کے

ساتھ شرکت کرتی ہے ورنہ خدا تو واحد لاشریک ہے، یہ صفر غیر اعتباری ہے۔

۴۔ قرآن شریف غیر مخلوق کلام ہے اور حدیث شریف کو شریعت میں مخلوق بولا جاتا ہے۔ حالانکہ سب اصحابؓ نے حضورؐ کی زبان مبارک سے سب کلام سنا، قرآن خود نہیں بولا۔ خدا کی صفت کرنا آسان ہے یعنی قل شریف مگر حضورؐ کی صفت بہت مشکل ہے ؎

ادھر اللہ سے واصل ادھر مخلوق میں شامل ۔۔۔ خواص اس برزخ کبریٰ میں ہے حرف مشدد کا

۵۔ عین غین دی اکو صورت وچ نقطے شور مچایا اے۔

۶۔ حضرت موسیٰؑ کے ہاتھ میں لاٹھی ایک وقت سانپ اور ایک وقت پھر وہی لاٹھی بن جاتی ہے

۷۔ اور دیکھ کہ لوہار کی بھٹی میں لوہا اور آگ ایک رنگ اور ایک صفت میں ہوتے ہیں مگر لوہا لوہا ہی ہے۔ اور آگ آگ ہے۔ لوہا آگ نہیں اور آگ لوہا نہیں۔ جیسے لاٹھی سانپ کا غیر ہے اور سانپ لاٹھی کا غیر ہے ویسے ہی مخلوق خالق نہیں اور خالق مخلوق نہیں ایک وجہ سے سانپ عین لاٹھی اور لاٹھی عین سانپ ہے۔ اور سمجھ لے کہ جیسے حکومت پاکستان کی فوج پر بڑ پر تیار ہوتی ہے تو کچھ حصہ پاکستانی اور کچھ حصہ ہندوستانی بن کر لڑتا ہے۔ اصل میں سب فوج پاکستان ہی کی ہے۔ چنانچہ فاعل حقیقی ایک ہی ہے اور کچھ نہیں۔

ایک اور بولا کہ انسان خدا نہیں مگر خدا سے جدا بھی نہیں، بابا عبداللہ شاہ نے فرمایا ؎

عشق بھلایا سجدہ تیرا ۔۔۔ ہن کیوں رو رو پاویں جھیڑا
تینوں اکو جانے جھیڑا ۔۔۔ بلھیا ہو گیا چپ چپات

اللہ کے غیر سے وہ چپ چاپ ہو جاتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے کہا ہے ع

خموشی گفتگو اور بے زبانی ہے زباں میری

میاں محمد بخش صاحبؒ (مصنف قصہ سیف الملوک پنجابی) نے فرمایا ہے ؎

لی مع اللہ وقت یار وہیج نبیؐ فرمایا ۔۔۔ چپ محمد جس کس پایا اوسے بھید چھپایا

حضرت سلطان العارفین نے فرمایا۔ اللہ بس ماسوی اللہ ہوس۔

عمل ہر انسان سے نیکی کرو، بدی نہ کرو، کسی کا دل رنجیدہ نہ کرو۔ خادم خلق ہو جاؤ۔ بد خلقی نہ کرو۔ ہر کسی کو اپنے سے اچھا سمجھو اور غرور، تکبر، تعصب اور بخل سب چھوڑ دو۔ اگر یہ اعمال انسان سے ادا ہو جائیں تو پھر خدا کی توحید آجاتی ہے اور شریعت کی کوئی حد نہ ٹوٹے۔ ہر چیز قدرت خدا سمجھے۔ ماسویٰ اللہ اور کچھ نہیں ہے۔

شانِ اولیاءؒ

۱۔ اولیاءؒ را ہست قدرت از اللہ ۔۔۔ تیر جستہ باز گردانند ز راہ
۲۔ ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا ۔۔۔ او نشیند در حضور اولیاءؒ
۳۔ گفتۂ او گفتۂ اللہ بود ۔۔۔ گرچہ از حلقوم عبداللہ بود (رومیؒ)

ترجمہ: (۱) اولیاءؒ کو اللہ کی طرف سے یہ طاقت حاصل ہے کہ وہ چھوٹا[1] ہوا تیر راستے سے واپس بھیج دیتے ہیں۔

۲۔ جو کوئی خدا کی ہم نشینی چاہتا ہے اسے چاہیئے کہ وہ اولیاء اللہؒ کا ہم نشین بنے۔

۳۔ اس (ولی) کا کلام اللہ کا کلام ہے اگرچہ بندے کے حلق سے نکلا ہے۔

حضرت پیران پیرؒ نے فرمایا ہے "تو جب تک مخلوق کے ساتھ رہے گا فلاح نہ پائے گا۔ مخلوق سے خالق کی طرف رجوع کر۔ اس کے قرب کی دہلیز پر بیٹھ رحمت کا ہاتھ تجھے کھینچ لے گا۔ اور تو اس گھر کا جلیس بن جائے گا۔ جب تو وہاں کے آرام و مکانات کو دیکھے گا تو ہر جانب سے فراخی ہو گی۔ تیرے بازو مضبوط ہو جائیں گے اور تو اس گھر کے کنگروں تک اڑ جائیگا۔ یہ کنگرے تیرے لئے عالیشان محل بن جائیں گے۔ پھر اگر تو گر گیا تو اسی گھر کے صحن میں گرے گا۔ اور صاحب خانہ کے ہاتھوں ہی میں رہے گا۔ اور تیری دعا قبول ہو گی۔ اگر مخلوق کو نفع دینا چاہتا ہے تو ایسا کیا کر۔ ورنہ محض بیہودہ باتیں نہ بنا۔ اس سے مراد وہ کلام ہے جو بد عمل واعظ لوگوں کو سنایا کرتے ہیں۔

نماز غیر سے انقطاع کے بعد خدا سے مل جانے کا نام ہے۔ ایک جسم دو مکانوں میں متجزی نہیں ہو سکتا۔ خلق سے انفصال اور خدا کا اتصال اہل اللہ کی نماز ہے۔ اور نیک بندوں کی نماز یہ ہے کہ جنت

[1] کمان سے نکلا ہوا تیر۔

کو قلب کی داہنی طرف قرار رکھتے ہیں، دوزخ کو بائیں طرف اور پلصراط کو آگے۔ اللہ تعالےٰ کو ان تمام اسرار پر باخبر جانتے ہیں۔

یہ توحید ہے

پیغمبرؐ فرماتے ہیں جس کا بھروسہ اپنی جیسی مخلوق پر ہو وہ ملعون ہے، ملعون ہے۔ اس لعنت میں اکثر لوگ شامل ہیں، ہزاروں میں ایک خدا پر بھروسہ کرتا ہے۔ جس نے خدا پر بھروسہ کیا اس نے گویا بہت مضبوط کڑا تھام لیا اور جس نے مخلوق پر بھروسہ رکھا اس نے گویا پانی کو مٹھی میں بند کر لیا مٹھی کھولی تو کچھ بھی نہ رہا۔ افسوس! مخلوق ایک دو دن، تین دن، مہینہ بھر یا برس دو برس تک تیری حاجتیں پوری کرے گی آخر تنگ آ جائے گی۔ اس لئے خدا کی صحبت اختیار کرو اور اپنی حاجتیں ادھر لے جاؤ۔ خدا کو واحد لاشریک جان۔ یہاں تک کہ تیرے قلب میں جمیع مخلوق میں سے ایک ذرّہ بھی باقی نہ رہے، تجھے نہ کوئی مکان نظر آئے نہ کوئی زمین، توحید سب کو نیست و نابود کر دے۔

حضرت پیر صاحبؒ کا دوسرا فرمان

ریا کار کے کپڑے پاک ہیں اور دل ناپاک، مباحات سے زہد کرتا ہے، اور کمائی سے دل چراتا ہے دین کے بدلے روٹی کھاتا ہے۔ اور کچھ پرہیز نہیں کرتا، وہ صریح حرام خور ہے۔ عوام کو اس کا حال معلوم نہیں اور خواص سے مخفی نہیں۔ اس کا زہد و طاعت ظاہر داری کا ہے۔ اس کا ظاہر آباد ہے۔ اور باطن خراب۔ افسوس خدا کی عبادت دل سے ہوتی ہے نہ کہ جسم سے یہ چیزیں قلوب و اسرار اور معانی سے متعلق ہیں۔ تو جن کپڑوں میں ہے ان سے الگ ہو جائے تو میں تجھ کو خدا سے ایسی پوشاک لا کر دوں۔ جو کبھی پرانی نہ ہو۔[1] ۔۔۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:۔

توحید

تم رام کہو وہ رحیم کہیں دونوں کی غرض اللہ سے ہے
تم دین کہو وہ دھرم کہیں منشا تو اسکی راہ سے ہے
تم عشق کہو وہ پریم کہیں مطلب تو اسکی چاہ سے ہے
وہ یوگی ہو تم سالک ہو مقصود دل آگاہ سے ہے

---

[1] فتح الربانی عبدالقادر جیلانیؒ

کیوں لڑتا ہے مورکھ بندے یہ تیری خام خیالی ہے — ہے پیڑ کی جڑ تو ایک وہی ہر مذہب اک اک ڈالی ہے
تکبیر کا جو کچھ مطلب ہے ناقوس[1] کا بھی منشا ہے وہی — تم جن کو نمازیں کہتے ہو ہندو کیلئے پوجا ہے وہی

پیغمبر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہو۔ اپنے شیاطین کو اس طرح دبلا کیا کرو جس طرح کوئی شخص اپنے اونٹ پر بار بار سوار ہونے اور بکثرت بوجھ لادنے سے اسے دبلا کیا کرتا ہے۔ اے قوم لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ خالص دل سے کہہ کر اپنے شیاطین کو دبلا کیا کرو نہ کہ فقط اس لفظ سے۔ کلمہ توحید شیاطینِ انس و جن کو جلا ڈالتا ہے۔ شیاطین کیلئے نار اور موحدین کے لئے نور ہے۔ جب کہ تیرے دل میں چند در چند محبوب ہیں اور معبود ہیں تو زبان سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کیونکر کہتا ہے۔ خدا کے سِوا تو جس پر اعتماد رکھے اور اس پہ اعتماد رکھے اور بھروسہ کرے وہ تیرا بت ہے۔ دل میں شرک ہو تو زبانی توحید تجھ کو نفع نہ دیگی۔ قلب ناپاک ہو تو جسم کی طہارت بیکار ہے۔ موحد کا شیطان دبلا ہوتا ہے اور مشرک کو خود اس کا شیطان دبلا کرتا ہے۔ اخلاص تمام افعال و اقوال کا لب لباب ہے۔ کیونکہ یہ اگر اخلاص سے خالی ہے تو بے مغز چھلکے کی مانند ہے۔ چھلکا محض جلانے کے کام آتا ہے۔ میری بات سن اور اس پر عمل کر۔

اخلاص تیری طمع کی آگ کو بجھا دیگا۔ نفس کے تکبر کو توڑ دے گا۔ ایسی جگہ نہ جا کہ جہاں تیری طبیعت کی آگ بھڑک جائے اور دین و ایمان کا گھر تباہ ہو جائے[2]

شیخ نے پانچویں رجب ۵۴۵ھ میں جمعہ کی صبح کو مدرسہ میں فرمایا:۔

"پیغمبر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا۔ بیماروں کی عیادت کرو اور جنازوں کے ساتھ جاؤ کیونکہ اس سے آخرت یاد آتی ہے۔ اس سے پیغمبر علیہ السلام کا یہ مقصود ہے کہ تم آخرت کو یاد کرتے رہو مگر تم اس سے بھاگتے اور دنیا کو دوست رکھتے ہو۔ عنقریب تمہاری اجازت کے بغیر دنیا میں اور تم میں پردہ پڑ جائیگا۔ جس چیز سے تم خوش ہو وہ تم سے چھین لی جائیگی۔ اس وقت دوستی کی جگہ دشمنی اور خوشی کے بدلے رنج ہوگا۔ اے غافل! اے کمینے بیدار ہو تو دنیا کے لئے نہیں بلکہ آخرت کے واسطے پیدا

[1] نقارہ کو ہندی میں ناقوس کہتے ہیں اور اسے سنکھ بھی کہتے ہیں۔ [2] فتح الربانی، حضرت پیران پیر عبدالقادر جیلانی، صفحہ نمبر ۱۰۰

ہوا ہے۔ اے ضروریات سے غافل، شہوت، لذت اور روپیہ پر روپیہ جمع کرنے اور ہاتھ پاؤں کو کھیل کود میں مصروف رکھنے کو تو نے اپنا بڑا مقصد سمجھ رکھا ہے۔ اگر کوئی ناصح آخرت اور موت کو یاد دلاتا ہے۔ تو تو یہ کہتا ہے کہ اس نے میری عیش و عشرت مکدر کر دی اور تو ادھر سے ادھر اپنی گردن موڑ لیتا ہے۔ بڑھاپا جو موت سے ڈرانیوالا ہے تیرے پاس آگیا ہے تو خضاب لگا کر اسے کم یا متغیر کرتا رہتا ہے۔ اجل آجائے گی تو کیا کرے گا۔ ملک الموت اپنے معاون لے کر آموجود ہوں گے تو تو کیونکر روکے گا۔ اور وعدہ پورا ہو جائے گا۔ تو کچھ نہ ملے گا۔ دنیا اعمال اور آفات پر صبر کرنے کا گھر ہے۔ رنج و تعب کا گھر ہے۔ اور آخرت مقام راحت ہے۔ مومن دنیا میں تکلیف اٹھا کر آخرت میں راحت پاتا ہے۔ تو دنیا میں راحت حاصل کر رہا ہے تو یہ دیر میں کر رہا ہے۔ آج سے کل پر اس مہینے سے اس مہینے پر اور اس سال سے اس پر ٹالتا رہا ہے۔ اس میں موت آجائے گی تو عنقریب اس پر نادم ہو گا کہ میں نے نصیحت کیوں نہ مانی اور بیدار کیوں نہ ہوا اور جن باتوں کی تصدیق کرائی گئی تھی انہیں سچ کیوں نہ جانا۔ افسوس تیری زندگی کے چھپت کا شہتیر عنقریب ٹوٹنے والا ہے۔ اے غافل! تیری حیات کی دیواریں گرنے کو ہیں۔ تو جس گھر میں رہتا ہے وہ اجاڑ ہو جائے گا تو اور مکان میں چلا جائے گا۔ دار آخرت کو طلب کر اور اپنا اسباب لے جا۔ ادھر یہ دنیاوی اسباب کیا چیز ہے۔ فی الواقع اسباب نیک اعمال ہیں۔ اپنا مال آخرت کی طرف بھیج تاکہ وہاں پہنچ کر مل جائے۔

اے مغرورِ دنیا! اے بیکار چیزوں کا مشغلہ رکھنے والے، اے لشکر کو چھوڑ کر گھوڑوں وغیرہ کی خدمت کرنیوالے! تجھ پر افسوس! آخرت دنیا کے ساتھ جمع نہیں ہوتی کیونکہ وہ اس کے لئے خادمہ بننا پسند نہیں کرتی۔ دنیا کو دل سے پھیر دیکھ۔ آخرت کیوں کر آتی ہے۔ اور کس طرح تیرے دل پر غالب ہو جاتی ہے۔

جب یہ مرتبہ پورا ہو جائے گا تو قرب الٰہی تجھ کو پکارے گا۔ اس وقت آخرت کو دوست رکھ اور اس کا طالب بن صحت دل اور باطنی صفائی ہو گی۔ اے لڑکے! جب تیرا دل درست ہو جائے گا خدا اور فرشتے اور اہل علم گواہ ہو جائیں گے۔ خدا خود مدعی ہو کر دعوی بھی کرے گا۔ اور تیرے لئے

شہادت بھی دیگا۔ تو اپنے نفس کے لئے شہادت دینے کا محتاج نہ ہوگا۔ پھر جب یہ مرتبہ حاصل ہوگا تو تو ایسا پہاڑ بن جائے گا۔ جس کو نہ ہوائیں ہلا سکیں گی نہ تیر توڑ سکیں گے اور مخلوق سے ملنا جلنا کچھ اثر نہ کرے گا۔ اور کوئی خدشہ تیرے دل میں نہ آئے گا۔ اور باطنی صفائی مقدر نہ ہوگی۔

اے قوم! سب سے الگ ہو جاؤ۔ جو شخص مخلوق میں قبولیّت حاصل کرنے کے ارادے سے عمل کرتا ہے وہ بھاگا ہوا غلام ہے اور خدا کا دشمن ہے خدا اور اس کی نعمتوں کا منکر ہے محجوب ہے۔ مغضوب ہے ملعون ہے۔ مخلوق دل ہی اور دین کو چھین لیتی ہے تجھ کو اپنے ساتھ مشرک اور خدا سے غافل بنا دیتی ہے مخلوق تجھ کو اپنے لئے چاہتی ہے نہ کہ تیرے لئے۔ اور خدا تجھ کو تیرے لئے چاہتا ہے۔ پس جو تجھ کو تیرے لئے چاہتا ہے اسی کو چاہ اور اسی کے ساتھ مشغول ہو۔ کیونکہ خدا کے ساتھ رہنا اس سے بہتر ہے کہ تو اس سے مشغول رہے جو تجھ کو اپنے نفع کے لئے چاہتا ہے۔ اگر تو ضرورت کیلئے کسی چیز کو چاہتا ہے تو خدا سے مانگ مخلوق سے نہ مانگ مخلوق سے دنیا کا طالب خدا کی تمام مخلوق سے زیادہ مبغوض ہے۔ اس کی مدد سے اسی کی جانب فریاد لے جا۔ وہ غنی ہے اور تمام مخلوق فقیر، اپنے یا نفع کیلئے نہ نفع کی مالک ہے نہ ضرر کی۔ اسی کی دوستی طلب کر۔ وہ تجھ کو چاہے گا۔ ابتدا میں تو مرید ہو جائے گا اور وہ مراد لیکن انتہا میں تو مراد بن جائے گا۔ اور وہ مرید۔ لڑکا بچپن میں اپنی مائی کو ڈھونڈا کرتا ہے مگر جب بڑا ہو جاتا ہے تو خود ماں ڈھونڈا کرتی ہے۔ جب تیرا سچا ارادہ معلوم ہو جائے گا تو وہ تجھے چاہے گا اور جب سچی محبت کھل جائے گی تو وہ تجھ کو دوست رکھے گا۔ اور تیرے دل کی رہبری کرے گا۔ تجھ کو مقرب کرے گا۔ جب کہ تو نے اپنے نفس وہوا اور شیطان کا ہاتھ دل کی آنکھوں پر رکھ چھوڑا ہے۔ تو کیونکر نجات ملے گی۔ ان ہاتھوں کو الگ کر دے تاکہ حقیقت اشیا نظر آنے لگے۔ مجاہدہ اور مخالفت کے باعث نفس کو جدا کر دے۔ ہوا و طبیعت اور شیطان کا ہاتھ اٹھا ڈال تو خدا کو پا لے گا۔ ان ہاتھوں کو اٹھا دے۔ خدا میں اور تجھ میں پردے اٹھ جائیں گے۔ تو ما سوی اور اپنے نفس اور غیر کو الگ دیکھ لے گا۔ اپنے عیب دیکھ کر ان سے بچے گا اور غیر کے عیب دیکھ کر ان سے بھاگے گا۔ جب یہ رتبہ مل جائے گا۔ تو خدا تجھ کو مقرب بنا لے گا۔ اور وہ چیز عطا کرے گا جو نہ

آنکھوں نے دیکھی نہ کانوں نے سُنی اور نہ کسی بشر کے دل میں اس کا گمان ہوا۔ تیرے قلب و سر کی بصارت و سماعت تیز کرے گا۔ ان کو دوست رکھے گا اور کرامت کا خلعت پہنائے گا۔ تجھ کو اپنی ولایت کا والی بنائے گا۔ تیری مدد فرمائے گا۔ تجھے مسلّط اور مالک کر دے گا۔ تمام مخلوق پر تیرا حال کھول دے گا۔ تجھ کو تیرے دل کا نگہبان بنائے گا۔ ملائکہ سے تیری خدمت کرائے گا۔ تجھے اپنے نبیوں، رسولوں کی ارواح کی زیارت کرائے گا۔ تجھ پر مخلوق کی کوئی چیز پوشیدہ نہ رہے گی۔

اے لڑکے! اس مرتبہ کا طالب رہ اور اس کی آرزو کر اور اسے اعلیٰ مقصد بنا لے۔ طالب دنیا کے مشغلوں کو چھوڑ۔ دنیا تیرا پیٹ نہ بھر سکے گی اور ما سوی اللہ سے تو ہرگز سیر نہ ہوگا۔ اس سے مشغلہ کر تاکہ وہ تیرا پیٹ بھر دے۔ جب وہ مل گیا تو گویا دارین کی راحت مل گئی۔ اے غافل! جو تجھے چاہے اسے چاہ، جو تیرا طالب ہو اس کا طالب بن۔ جو تجھ سے محبت کرے اس سے محبت کر۔ جو تیرا مشتاق ہے اس سے مشغلہ رکھ۔ کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہیں سنا یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ۔ (خدا ان کو دوست رکھتا ہے۔ اور وہ خدا کو) اور کیا یہ کلام تیرے کانوں تک نہیں پہنچا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تمہاری ملاقات کا تم سے زیادہ شائق ہوں۔ تجھے عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے کھیل کود چھوڑ دے۔ اپنی محبت کے لئے بنایا ہے غیر کے ساتھ مشغول نہ ہو۔ اس کی محبت کے ساتھ کسی اور کو نہ چاہ، غیر کی چاہت ملاطفت و کرم اور مہربانی کے ساتھ جائز ہے۔ آدمؑ کا دل جب بہشت کے ساتھ لگ گیا اور وہیں مقام کرنا چاہا تو گیہوں کے بہانے سے جدا کئے گئے اور نکالے گئے۔ ان کا دل حوا پر مائل ہوا اس لئے تفریق کی گئی۔ آدمؑ سراندیپ میں رہے اور حواؑ تین سو برس کے فاصلے پر جدہ میں۔

یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹے یوسفؑ کو چاہا۔ انجام کار دونوں کو جدا کیا گیا۔ ہمارے پیغمبر علیہ السلام حضرت عائشہؓ کو چاہنے لگے اس لئے ان پر بہتان لگا اور حضورؐ ایک عرصہ تک ان کو دیکھ نہ سکے۔

پس تو اے مخاطب! اللہ سے لو لگا، غیر سے مشغول نہ ہو تو اس کے سوا کسی سے محبت نہ کر۔ مخلوق کو دل سے نکال دے۔ قلب کا ایک گوشہ اس کے لئے خالی کر لے۔ اے جھوٹے! اے شیخی کے بھرے! اے نہ ماننے والے! اگر تو میری بات قبول کرتا اور میرے کہے پر چلتا ہے تو اپنے لئے عمل کر۔ اگر نہ کرے گا

تو تجھ پر غصہ اور حرمان لازم ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ہر امت کے لئے وہی ہے جو اس نے کمایا۔ اور اس کی برائی کا وبال اسی پر پڑے گا۔ اگر تم نیکی کروگے تو اپنے نفس کے لئے اگر برائی کروگے تو وبال اسی پر ہے نفس اپنے اعمال کا ثواب جنت میں اور گناہوں کا عذاب دوزخ میں حاصل کرے گا۔

پیغمبر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا۔ اپنا کھانا پرہیزگاروں کو کھلاؤ اور اپنے کپڑے مومنوں کو دے۔ جب تم نے پرہیزگار کو کھانا دیا۔ اور دینوی کاموں میں اس کی مدد کی۔ اس کا بوجھ ہلکا کیا۔ اور اسے خدا کی طرف چلایا۔ اور جب تونے کسی منافق، ریاکار اور گنہگار کو کھانا کھلایا اور دنیاوی کاموں میں اس کی مدد کی تو گویا اس کے کام میں شریک رہا اور اس کے عذاب میں سے کچھ کم نہ ہوا۔ کیونکہ تو نے خدا کے گناہ پر اس کی اعانت کی۔ اس لئے اس کا شر تیری طرف رجوع کر آیا۔ اے جاہل! علم حاصل کر۔ علم نہ ہو تو عبادت و ایقان میں خیر نہیں ہوتی۔ علم پڑھ اور عمل کر تاکہ تجھے دنیا و آخرت میں نجات حاصل ہو۔ اگر تحصیل علم و عمل پر تو صبر نہ کرسکے گا تو نجات کیوں کر ہوگی۔ تو اپنی ذات کو سراپا علم کے حوالے کر دے گا تو علم اپنا تھوڑا سا حصہ تجھے دے گا۔ بعض علماء سے پوچھا گیا کہ تمہیں یہ علم کا رتبہ کیوں کر حاصل ہوا۔ جواب دیا کہ کوّے کی سویر، اونٹ کے صبر، خنزیر کی حرص، اور کتے کی خوشامد سے۔ میں بہت سویرے علماء کے دروازے پر جاتا تھا جس طرح کوا علی الصبح اپنے گھونسلے سے اڑ جاتا ہے اور ان کی ڈالی ہوئی مشقت پر اس طرح صبر کرتا تھا جس طرح اونٹ بوجھ پر اور طلب علم کا ایسا حریص تھا جیسا خنزیر کھانے کی چیز کا۔ اور ان کی اس طرح خوشامد کرتا تھا جس طرح کتا لقمہ کے لئے اپنے مالک کے دروازے پر۔ اے طالب علم! اس کا مقولہ سن اور اگر علم و نجات کا ارادہ ہے تو اس پر عمل کر۔ علم حیات ہے اور جہل موت ہے۔ عالم باعمل کے لئے جو مخلص اور للّٰہی تعلیم پر صبر کرنیوالا ہو، موت نہیں ہے۔ کیونکہ وہ مرتے ہی اس سے جا ملتا ہے۔ یہی اس کی زندگی ہے۔ الٰہی ہمیں علم اور اس میں اخلاص نصیب کر۔ آمین[1]

قشیری کے بیٹے کی علالت

ایک بار استاد ابوالقاسم کا ایک بیٹا سخت بیمار ہوگیا یہاں تک کہ اس کے بچنے کی کوئی امید نہ رہی۔ استاد اس سے انتہائی پریشان ہوئے۔ اس کے بعد انہوں نے حق سبحانہٗ کو خواب میں دیکھا اور بیٹے کی بیماری کا تذکرہ کیا۔ اللہ تعالےٰ

[1] فتح الربانی۔ سپرالنے بیرم

نے فرمایا۔ قرآن مجید کی وہ تمام آیات جن میں شفا کا ذکر ہے جمع کر کے انہیں پڑھو اور اس کو پھونکو۔ پھر ایک برتن پر لکھو اور دھو کر اسے اس کا پانی پلاؤ۔ چنانچہ ایسا کیا گیا اور بیٹا تندرست ہو گیا۔ قرآن مجید کی آیات شفا یہ چھ آیتیں ہیں۔ (۱) وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ (۲) شِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ (۳) فِيهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ (۴) وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ (۵) وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ (۶) قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءٌ ٥

یہ واقعہ لکھنے کے بعد سبکی (طبقات الشافعیہ ۳۱۶/۴ ۲) فرماتے ہیں کہ میں نے بہت سے مشائخ کو دیکھا ہے کہ وہ ان آیات کو لکھ کر ان کا پانی مریض کو پلاتے تھے۔[1]

مُتفرّقات

حضرت جنیدؒ کا فرمان ہے کہ توحیدی وہ ہوتا ہے جو بیک وقت کثرت اور وحدت میں ایک ہوتا ہے دل میں وحدت اور زبان پر کثرت اسی کو کمال کہتے ہیں ؎

بے نام ہے وہ ذات جس نے کیا ہے انتساب — جس نام سے پکاریئے دیتی ہے وہ جواب

اوّل بھی خدا آخر بھی خدا ظاہر بھی خدا اور باطن بھی خدا ہے۔ جس دل میں خدا کی محبت ہو وہ شخص اوّل کسی کامل مرشد کا مرید ہو۔ کیونکہ حضورؐ سے اصحابؓ کی محبت خدا کی محبت ہے۔ یہ ضروری بات ہے اور سنّت ہے۔ اور قرآن کی اس آیت قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ ٥ سے یہ ساری حقیقت ظاہر ہے اگر کامل شخص نہ ملے تو پھر وہ شخص تصوّف کی کتابوں کا مطالعہ کرے۔ جو کتاب ملے اس کا مطالعہ کرے مگر ورد کتابہائے مثنوی مولینا رومؒ، کشف المحجوب حضرت ہجویریؒ اور رموز الغیب از حضرت پیران پیرؒ صاحب بغدادی کا رکھے تو انشاء اللہ اس کو خدا مل جائے گا۔ کیونکہ یہ کتاب جو بندہ نے تالیف و تحریر کی ہے وہ ان ہی حضرات کی ہے۔ مرشد نائب رسول ہوتے ہیں۔ فنا فی الشیخ کی منزل حاصل کرنا ضروری ہے۔ پھر آگے منزل کھل جاتی ہے۔ یعنی علم لدنّی حاصل ہونا شروع

[1] رسالہ قشیریہ، امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ

ہو جاتا ہے۔ یہ سب کام ایک پیار محبت کا ہے۔ توحید دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک وحدت مطلق بولی جاتی ہے۔ دوسری وحدت مقیدؔ۔ وحدت مقیدؔ تقلیدی ایمان ہوتا ہے اور وحدت مطلق حق الیقین ہوتا ہے۔ ایمان کے تین درجے ہیں ایک علم الیقین دوسرا عین الیقین اور تیسرا حق الیقین ہوتا ہے۔ تحقیقی ایمان تقلیدی ایمان سے اچھا ہوتا ہے۔ تقلیدی ایمان دنیا داروں کا ہے اور تحقیقی ایمان خدا پرستوں کا ہے۔ یہ کتاب جس کا نام میں نے سِرِّ وحدت رکھا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا ایک بھید ہے۔ یہ جس انسان کو چاہے سمجھا دے۔ یہ پرندوں کی بولی ہے۔ پرندوں کی بولی حضرت سلیمانؑ کو سمجھائی گئی تھی۔ تقلیدی ایمان والا نہیں سمجھ سکتا۔ کیونکہ تقلیدی ایمان علم الیقین ہے۔ سنی سنائی بات ہے۔ خدا اور رسولؐ کو دیکھا نہیں۔ غیب کے ساتھ ایمان ہے۔ تحقیقی ایمان نہیں یعنی خدا کو دیکھا نہیں، اس میں انسان اپنی ہستی کو ثابت کرتا ہے جو نسبت ہے۔ جو ہستی ہے اس کو نسبت سمجھ بیٹھا ہے۔ اس کا ایمان بہت کمزور ہے۔ ہر انسان کو چاہیئے کہ پہلے شریعت رسولؐ پر عمل پیرا ہو کر رسالت کو مانے پھر توحید آ جاتی ہے۔ کیونکہ اگر رسول اللہؐ نہ آتے تو خدا کا نام ہم کو کب معلوم ہوتا اس بات کے سوا انسان حیوان ناطق ہے۔ اور کچھ نہیں۔ مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فَقَدْ دَخَلَ الْجَنَّۃَ۔ انسان دو نسبتوں کے درمیان ہے یا نسبت آدمؑ یا نسبت خدا۔ جب تو آدمؑ کی طرف منسوب ہوا تو ذلتوں اور آفتوں اور شقوتوں کے میدان میں داخل ہوا۔ اور جب تو خدا کی طرف منسوب ہوا تو ولایت اور کشف کے دلائل میں داخل ہوا۔

جس نے افسانہ کہا افسانہ ہے — جس نے دیکھا نقد وہ مردانہ ہے
خون تھا قبطی کے حق میں آب نیل — موسوی کو آب تھا بے قال وقیل

انسان کو جبر اور قدر کے درمیان رہنا چاہیئے۔ خطاب میں ہیں اور تو کے درمیان کلام کرے۔ کیونکہ ایک ایسے لوگ ہیں جو سمندر پی گئے ہیں اور ڈکار نہیں مارا ہیں اور تو کے خطاب کے سوا اور کوئی چارہ کلام نہیں اسی لیے قرآن قرآن ہے اور حدیث حدیث۔ قرآن غیر مخلوقی کلام ہے۔ اور حدیث مخلوقی کلام بولی جاتی ہے۔ حالانکہ یہ حضورؐ کے منہ کا کلام ہے۔ قرآن آپ نہیں بولتا ہے نہ بولا ہے۔ یہی ذات واحد کا ایک بھید ہے۔ جو ہر ایک انسان نہیں سمجھ سکتا۔ مگر جس پہ اس کا فضل ہو سے

ہم تو حکم کن فکاں کے سامنے ہیں مکان و لامکاں میں دوڑتے
رنگ بے رنگی سے جب پیدا ہوا رنگ و بیرنگی میں پھر جھگڑا ہے کیا[1]

ع اگر در خانہ کس است حرف بس است

مولانا[2] وحدت وجود کے قائل ہیں ان کے نزدیک تمام عالم اس ہستی مطلق کی مختلف تشکلیں اور صورتیں ہیں۔ اس بنا پر صرف ایک ذات واحد موجود ہے اور تعدد جو محسوس ہوتا ہے محض اعتباری ہے ؂

دل بھی تو ہیں دلبر بھی تو ہیں جد دید تو ہیں دکھ تیرا نین پران حیاتی تیری ہن حرف نہیں کچھ میرا

؂ نہ آنجا نفس و قلب و روح دانی فنا فی الذات وحدت لامکانی (از حضرت سلطان باہو)

ترجمہ:۔ وہاں نہ نفس نہ قلب اور نہ روح ہے۔ بلکہ ذات میں فنا ہو کر ایک ہی ایکا ہے جو لامکان ہے۔

حضرت ابن عربیؒ کا قول ہے کہ تمام جہان اضداد ہے اور کوئی فساد ہے۔ یہ الفاظ (اقوال) مختلف ہیں مگر بڑے گُر کے ہیں۔

۱۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ میں نے مدینہ شریف کی گلیوں میں حق کو پایا۔ دیکھا کیا ہوں کہ کچھ خستہ حال مسکین ہیں جن کی خستہ حالی بیان نہیں کی جاتی۔ مجھے پتہ چل گیا کہ واقعی خدا خستہ حالوں کے سامنے ہے۔

۲۔ حضرت پر نزع کا عالم طاری ہوا تو کسی نے کہا کہ اب اللہ اللہ کرو۔ تو فرمانے لگے کہ مجھے فراموش ہی کب ہوا ہے۔

۳۔ گورونانک، خواجہ معین الدینؒ اجمیری اور شیخ خواجہ عثمان ہارونیؒ کو مسجد شونیزیہ کی زیارت کا اتفاق ہوا ہے[3]۔

۴۔ حضرت کتانیؒ کہتے ہیں کہ خواب میں مجھے زیارت نبویؐ ہوئی تو میں نے عرض کیا۔ حضور میرے لئے دعا فرمائیں کہ میرا دل مردہ نہ ہو۔ حضور پاکؐ نے فرمایا، ہر روز چالیس مرتبہ یا حیّ یا قیّوم لا الٰہ الا انت پڑھا کر۔ دل زندہ رہے گا۔

۵۔ حضرت زجاجیؒ سے گم شدہ چیزوں کی بازیابی کے لیے یہ دعا منقول ہے۔ اور بزرگوں کے ہاں مجرب

[1] ترجمہ از اشعار مولانا رومؒ۔ [2] مولانا رومؒ [3] سیرت حضرت جنیدؒ از علامہ فضل احمد عارف، انتالیس صفحہ ۱۴۸

ہے۔ (دعا یہ ہے) اَللّٰھُمَّ یَا جَامِعَ النَّاسِ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ اِجْمَعْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ ضَالَّتِیْ۔ دعا پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے تین بار سورۃ والضحیٰ پڑھی جائے پھر یہ دعا تین بار پڑھی جائے انشاء اللہ گمشدہ چیز مل جائیگی لے

۶۔ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ سچے فقیر کی علامت یہ ہے کہ وہ کسی سے سوال نہیں کرتا نہ کسی سے جھگڑا کرتا ہے اور اگر کوئی اس سے جھگڑا کرے تو وہ خاموش رہتا ہے۔

۷۔ یعنی اللہ کے سوا اور کون ہے جو بیقرار کی دعا قبول کرتا ہے جبکہ وہ اس کو پکارتا ہے۔ اور اس کی تکلیف دور کر دیتا ہے۔

۸۔ اور اگر میں یہ کہتا ہوں کہ میں نے کوئی گناہ نہیں کیا تو تم جواب میں کہتے ہو جو تمہاری زندگی اور وجود ہی تو ایسا گناہ ہے کہ جس کے برابر اور کوئی گناہ نہیں۔

۹۔ شیخ ابن العربیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت جنیدؒ حق کی زبانوں میں سے ایک ہے۔

۱۰۔ اس کے بعد فنا کا تیسرا مرحلہ آتا ہے جہاں پہنچ کر انسان اپنی انفرادیت کھو دیتا ہے تجلیات کا اتنا غلبہ ہوتا ہے کہ انسان اپنے آپ کو بھلا دیتا ہے۔ اور اسے یہ احساس بھی نہیں رہتا کہ وہ فنا کے مقام پہ پہنچ گیا ہے۔ اس کا وجود مردہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ اپنی ابدی زندگی کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ حق تعالیٰ کے ساتھ رہنے لگتا ہے۔ اور اس طرح بقا کا مرتبہ پا کر زندہ جاوید ہو جاتا ہے۔

۱۱۔ حضرت کا فرمان ہے کہ علم تصوف ایک ایسا علم ہے جس کی معرفت ذہین اور نیک سیرت شخص کے سوا کوئی حاصل نہیں کر سکتا۔ جو شخص مشاہدے سے محروم ہے اسے معرفت بھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ آخر کور چشم سورج کی روشنی کا مشاہدہ کر ہی کیسے سکتا ہے۔

۱۲۔ حضرت جنیدؒ کا ارشاد ہے کہ تصوف ایک وصف ہے کہ جو اللہ تعالےٰ کے خاص بندے میں مستقل طور پر قائم رہتا ہے۔ پوچھا گیا کہ یہ وصف بندے کا ہے یا حق تعالےٰ کا۔ فرمایا کہ یہ وصف حق تعالیٰ کیلئے تو حقیقی ہے۔ جبکہ بندے کے لئے عارضی اور رسمی ہے۔

۱۳۔ رجح کا بیان ہے۔ ایک شخص سید امیر المومنین علیؓ ابن طالب کی اولاد کا حج پر جا رہا تھا۔ بغداد شریف میں آیا۔ اور حضرت جنیدؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرتؒ نے ارشاد فرمایا۔ تیرے پدر گرامی حضرت علی المرتضیٰؓ

لے سیرتِ حضرت جنید صفحہ ۲۰۲

دو تلواروں سے جہاد کیا کرتے تھے ایک تلوار سے کفار سے لڑتے تھے، اور دوسری تلوار سے اپنے نفس کے خلاف جہاد کیا کرتے تھے، سیّد صاحب آپ تو ان کے فرزند ارجمند ہیں آپ کے جہاد بالنفس کی کیا کیفیت ہے۔ اتنا سننا تھا کہ وہ سیّد صاحب زار و قطار رونے لگے اور کہتے جاتے تھے، حضرت امیرا حج یہیں ہو گیا ہے۔ ازراہِ کرم میری خدا کی طرف راہنمائی کریں، حضرت جنیدؒ نے ارشاد فرمایا، یاد رکھو یہ تمہارا سینہ خدا کا حرم خاص ہے کسی غیر محرم (ماسوئی اللہ) کو ہرگز ہرگز نہ گھسنے دیا کرو۔[1]

حرم جز قبلۂ قلب و نظر نیست　　　طواف او طواف بام و در نیست

میان ما و بیت اللہ رمزیست　　　کہ جبرئیل امین را ہم خبر نیست (اقبالؒ)

ترجمہ۔ حرم سوائے قبلۂ دل و نظر نہیں ہے۔ اس کا طواف محل اور دروازوں کا طواف نہیں ہے۔ ہمارے اور بیت اللہ کے درمیان ایک رمز ہے کہ اس کی خبر حضرت جبرئیلؑ کو بھی نہیں ہے۔

مسئلہ توحید

(۱) "ایک عارف صحیح معنوں میں عارف نہیں ہو سکتا جب تک وہ اس سرزمین کی مانند نہ ہو جس پر نیک و بد سبھی چلتے ہیں۔

۲۔ حضرت جنیدؒ اس علم و فضل کے باوجود عزلت پسند اور خاموش طبع تھے اور صوفیانہ خود آگاہی کی کیفیت میں اپنے آپ میں مست رہتے تھے۔

۳۔ ایک دن حضرت جنید کچھ غمگین بیٹھے تھے انہیں اس طرح دیکھ کر شبلیؒ پوچھنے لگے کہ کیا بات ہوئی ہے؟ حضرت جنیدؒ نے فرمایا جو تلاش کرتا ہے وہی پاتا ہے۔ شبلیؒ نے فی الفور جواب دیا نہیں جو پا لیتا ہے وہی دراصل تلاش میں رہتا ہے!

۴۔ جان لو کہ تم ذاتِ خداوندی سے بسبب اپنے وجود کے محجوب ہو۔ اپنے وجود کے ذریعے نہیں پا سکتے بلکہ خود اس کے ذریعے ہی اس تک پہنچ سکتے ہو۔[2]

۱۔ اے ابو یزید! اگر اپنے آپکو دیکھے تو مشرک ہو جائیگا۔ اس وقت میں نے توبہ کی اور توبہ سے بھی توبہ کی۔ اور نیز اپنی ہستی دیکھنے سے بھی میں نے توبہ کی۔

۲۔ حق سے وابستہ رہ کر لوگوں میں حکم کرو۔

[1] سیرت حضرت جنیدؒ۔ علامہ فضل احمد شمس آباد کالونی ملتان [2] حضرت جنید بغدادیؒ ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر صدر شعبہ دینیات۔ الازہر یونیورسٹی مدینہ

۳۔ بیک وقت کثرت اور وحدت میں رہنا کمال ہے۔ یہی نورِ ایمان کی خبر ہے۔"[1]

تو ظاہر موحّد ہے اور باطن مشرک ہے۔" (فتح الربانی)

۱۔ ذکرِ خدا کثرتِ عدد سے نہیں ہے بلکہ حضورِ بے غفلت کا نام ہے۔

۲۔ حقیقتِ تصوف میں حسین بن منصور حلاجؒ "فرماتے ہیں کہ صوفی وہ ہے جو ذات کے لحاظ سے واحد ہو نہ کوئی اس کی طرف متوجہ ہو اور نہ وہ کسی کی طرف متوجہ ہو۔"[2]

۳۔ اے خدا میں نے جب بھی تم کو یاد کیا تو غفلت پیدا ہو جانے کی وجہ سے، ورنہ تمہاری یاد تو ہر دم ہر لحظہ رہتی ہے۔ اور تو نے جب بھی مجھ سے گرفت کی تو ہستی کی وجہ سے۔"[3]

"جو کامل ہیں وہ ایک ہی وقت میں دونوں جانب نگاہ رکھتے ہیں۔"[4]

"تمام ہمت یکسو ہو جاوے اور ظاہر و باطن ایک ہو جاوے۔"[5]

"تطہیر القلب عن ما سوی اللہ کو اصل مقصود سمجھنا"[6]

"وہ ایسا عالم ہے جو ہر امر کی ابتدا اور انتہا سے باخبر ہے۔ وہ ایسا سننے والا ہے جسکے آگے پہنچا ہوا پہلے سے بولنا برابر ہے۔"[7]

"اخلاقِ ربانی لامحدود ہیں، حدیثِ نفس سے کوئی محفوظ نہیں خود بھی سرورِ عالمؐ پر بھی حدیثِ نفس کا ورود تھا مگر خیر اسکا خیر ہے اور شر اسکا شر ہے۔ ابوالحال کو کوئی خطرہ نہیں ہاں ابن الحال کو خطرہ ہے۔"[8]

"وحی کیا ہے وہی باتیں ہیں جو بغیر ذریعۂ حسِ ظاہری کے سنی جاتی ہیں۔ گوشِ عقل و گوشِ حس ان سے بہرے ہیں۔"[9]

"اللہ باوجود اپنی دوری کی نزدیک ہے۔ اور باوجود نزدیکی کے دور ہے۔"[10]

اگر حق تعالیٰ غائب ہے تو غائب کا ذکر بھی غائب ہے۔ اور یہ حرام ہے اگر حاضر ہے تو حاضر کا اس کے سامنے نام لینا خلافِ ادب ہے۔"[11]

جس شخص کے عشق میں پاؤں مضبوط جم گئے یعنی عشق کے راستہ میں پورا اترا وہ اسلام اور کفر سے بالاتر ہو جاتا ہے اسکے نزدیک کفر و اسلام برابر ہوتا ہے۔ عشق فقیری کی طرف لیجاتا ہے۔ اور فقیری کفر کا راستہ دکھاتی ہے

---

[1] کشف المحجوب، داتا گنج بخشؒ [2] مخزن اخلاق، رحمت اللہ سبحانی [3] اقوال حضرت بایزید بسطامیؒ [3] ابن یزید [4] اسرار التصوف صفحہ ۲۸
[5] امام غزالیؒ [6] تذکرہ غوثیہ صفحہ نمبر ۱ [7] حاجی امداد اللہؒ [8] رسالہ خدام الدین ۲۰ فروری سنہ ۱۹۷۵ء
[9] اسرار التصوف صفحہ ۱۷۳ [10] تذکرہ بابا عطار [11] شبلیؒ

عشق اور کفر ایک چیز ہے اور کافری اور فقیری ایک چیز ہے۔ جب کہ تو اس کفر و ایمان سے آزاد ہو گیا ہے تو یہ تیرا جسم غائب ہو جائے گا۔ اور تیری جان باقی نہ رہے گی یہ منزل فنا فی اللہ کی ہے۔"[1]

پس فقیر وہ ہے جو بلا واسطہ واصل ہوتا ہے۔ انوار الٰہی کے شعلوں کو اس کے وجود سے خاص تعلق ہوتا ہے۔ پس فقیر وہ ہے کہ اپنے آپ کو آبِ حیات پلا دے جس کی بدولت وہ ہمیشہ زندہ رہے۔ پس فقیر وہ ہے جو سارے جہان کا دل ہے اور اس دل کیلئے علم و فنِ باطن پر مائل ہوتا ہے۔ پس جس طرح شعلۂ آتش مطمح نظر ہوتا ہے جو اس کی گرمی کو برداشت کر سکے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا مطمح یہ دل ہے نہ کہ بدن پھر یہ جزئی دل بھی گویا بدن ہے۔ یہ بات بہت سی مثالیں اور شرح چاہتی ہے لیکن ڈرتا ہوں کہ ان سے عام لوگوں کے اعتقاد میں لغزش نہ ہو جائے ہماری نیکی، بدی نہ بن جائے۔ یہ جو کچھ کہہ گیا ہوں سوائے بیخودی کے کچھ نہیں کیا، ٹیڑھے پاؤں کیلئے ٹیڑھا جوتا کافی ہوتا ہے۔ فقیر کی رسائی دروازے تک ہوتی ہے۔"[2]

اصل توحید ایک بڑا لطیف مقام ہے۔ سوائے خاص لوگوں کے عوام نہ سمجھیں گے۔ سارے قرآن اور حدیث کا مقصود توحید ہے۔ مشرک کی سب نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں۔ سوائے توحید کے نجات نہیں۔ خدا فرماتا ہے میرا کوئی شریک نہیں۔ یہ سچ ہے مگر دیکھو جو چیز دنیا میں نہیں اس کا نام بھی کوئی نہیں۔ مگر خدا فرماتا ہے کہ میرے ساتھ شرک نہ کرو۔ آیت شریف لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ۔ اللہ کے ساتھ شرک نہ کرو۔

شرک ظلم عظیم ہے۔ یہ دیکھو اور سمجھو، تقلید سے تحقیق میں آؤ۔ شرک کا نام کیوں کر ہے۔ خدا تو واحد ہے شرک کیا ہے۔ وہ تو غیر سے پاک ہے پھر شرک کا نام کیوں ہے؟ دنیا میں ہر مسلمان سوائے خدا کے اور کسی چیز کا نام خدا نہیں رکھتا اگر بت غیر خدا ہیں تو وہ بھی بندوں کے نام ہیں اور مخلوقی نام سے خالی نہیں ہیں۔ جو بت بولے جاتے ہیں وہ بھی کسی اپنے زمانے میں بڑے اوتار، بزرگ انسان ہیں اور مخلوق ہیں۔ خدا تو نہیں ہیں کیونکہ خدا کی صفات اور ہیں اور مخلوق کی صفات اور ہیں۔ خدا لامکان ہے۔ یہ ایک خدا کا بھید ہے۔ اَلْاِنْسَانُ سِرِّیْ وَاَنَا سِرُّهٗ۔ اللہ بس باقی ہوس۔ جو انسان خدا کی توحید کو نہ مانے وہ کافر ہے۔ اور جو رسالت نہ مانے وہ بھی کافر ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔" یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ۔ وَمَنْ یُّطِعِ

---

[1] منطق الطیر بابا فریدالدین عطار، صفحہ ۵۷   [2] ترجمہ از مثنوی مولانا روم ؒ

الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ٥ یہ ایک جھگڑا فساد ہے۔ وہ بھی مانو ایک بھی مانو۔ تمام جہان اضداد ہے اور کوئی فساد ہے[1]

یہ ایک بڑا بھید ہے انسان دو نسبتوں کے درمیان ہے ایک نسبت اللہ دوسری نسبت آدم یا مخلوق ہے مگر نسبت اللہ میں رہنا بہت اچھا ہے خدا اس جگہ ہے جہاں اس کا کوئی غیر ذرّے کے برابر بھی نہیں ہے لَا ضِدَّ لَهٗ وَلَا نِدَّ لَهٗ وَلَا حَدَّ لَهٗ وَلَا مِثْلَ لَهٗ وَلَا مِثَالَ لَهٗ ٥ اللہ کی صفت کرنا آسان ہے یعنی قل شریف پڑھ لیں۔ لیکن رسولؐ کی صفت مشکل ہے مگر جس پر خدا کا فضل ہو جائے مشکل نہیں، صرف ؎

اس دوئی وے وچ وے پٹیاں سٹیاں دور حضوروں
نوروں سایہ ظاہر ہویا اٹھ نسدا پھر نوروں (میاں محمد بخشؒ)

"تو کب تک عادت و رسم کی قید میں گرفتار رہے گا۔ کب تک مخلوقات کے ساتھ لو لگائے رکھے گا۔ کب تک خواہشات نفسانیہ کی پیروی کرے گا۔ کب تک تو پاگل بنا رہے گا۔ کب تک دنیا و آخرت کا لالچ رکھے گا۔ کب تک اپنے مولا کے سوا دوسرے کا بنا رہیگا۔ اور ہر چیز کو ہستی عطا کرنیوالے اور تمام چیزوں کو پیدا کرنیوالے سے دور رہ کر کدھر بھٹکتا پھرتا ہے۔ جو سب سے اوّل بھی ہے اور آخر بھی۔ ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔ اسی کی طرف سب کی بازگشت اور واپس پھرنا ہے۔ اور دل اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں اور جانوں کا آرام اسی کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور بوجھوں کا اترنا اسی کی مہربانی پر موقوف ہے اور بخشش و احسان کرنا بھی اسی کی ذات سے متعلق ہے۔

اپنی صحبت کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستہ کر۔ تیری ذات میں خالق برحق کا فعل جاری و ساری ہے۔ اور تو ایک اور صرف ایک اکیلا چھپا ہوا صرف بھید ہی بھید رہ جائے گا"[2]

ایک ایسی عبادت بھی ہے۔ جو حضور سرور کائناتؐ غار حرا میں چالیس برس کرتے رہے اور فرشتہ نازل ہو گیا۔ وہ عبادت خاص خاص لوگوں کو معلوم ہے۔

- قرآن مجید کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کو عبادت سے، رسولؐ کو اطاعت سے اور مخلوق کو خدمت سے راضی رکھو۔
- دنیا میں سب طمع کے یار ہیں۔ بے طمع کا یار صرف اللہ ہے جو سب کچھ دیتا ہے مگر کچھ نہیں لیتا۔
- ماں باپ کو ستانیوالوں کو نہ نماز نہ روزہ نہ زکوٰۃ اور نہ ڈبل حج جہنم سے بچا سکیگا میں انکے لئے جہنم کا فتویٰ دیتا ہوں
- میں تعلیم کا مخالف نہیں ہوں۔ ڈگریاں روٹی کمانے کا ذریعہ ضرور ہیں مگر ذریعہ نجات نہیں تعلیم جدید قرب الٰہی کا ذریعہ نہیں ہے۔
- اللہ تعالیٰ کو منظور ہو تو تھوڑا رزق بھی بہت بن جاتا ہے۔ اگر برکت نہ ہو تو رزق کی بہتات ہوتے ہوئے بھی

[1] قول ابن عربیؒ [2] فتوح الغیب۔ پیران پیر عبدالقادر جیلانیؒ

ہا کے نہیں جاتی اور اطمینان حاصل نہیں ہوتا۔

- طبیعتوں پر قابو رکھو، صبر اور جبر کی عادت ڈالو، خدا کو یاد رکھو، یہ دنیا فانی ہے، اپنے معاملات درست کر لو
رزقِ حلال کماؤ، فقط سؤر اور کتے ہی حرام نہیں بلکہ دودھ گوشت اور نمک بھی حرام ہو سکتا ہے۔
- سب کچھ بننا ہے آسان، سب سے مشکل بننا ہے انسان، انسان کو بناتا ہے فقط قرآن۔
- کان کھول کر سن لو، اسلامی تعلیم ہی ذریعہ نجات ہے، نماز، اذان، اور مسجد سے رابطہ پیدا کرو، جو اللہ کے
گھر آئے گا، خالی کبھی نہ جائیگا، جو نہیں آتا اس کو بلا کر کچھ نہیں دیا جاتا۔
- جو قرآن مجید کا اتباع نہیں کرتے وہ آخرت کے لحاظ سے نپٹ اندھے ہیں"[1]

"یہ بھی توحید ہے" ایک دن بندہ کو خواب میں یہ لکھا ہوا نظر آیا۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ نیچے لکھا ہوا تھا، ماسوی اللہ اور کچھ نہیں پہلے لا میں رسالت پڑھی جاتی ہے پھر ایک دن خواب میں دیکھا کہ حضرت بابا فرید شکر گنج قدس سرہٗ فرما رہے ہیں اور بندہ کو وصیت کرتے ہیں کہ ہر شے کو لَیْسَ مَا سِوَی اللّٰہ سمجھ لے یہی مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ دَخَلَ الْجَنَّۃ، حدیث ہے۔

آیاتِ قرآنی (بابت اثباتِ توحید)

۱ ۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْم ۝ ترجمہ۔ کوئی حرکت اور طاقت نہیں ہے سوا اللہ بزرگ و برتر کے

۲ ۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہ ۔ ترجمہ۔ اور مجھے کوئی طاقت نہیں (حاصل) ہے مگر اللہ کے ساتھ۔

۳ ۔ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ ۔ ترجمہ۔ ہر حکم اللہ ہی کا ہے۔

۴ ۔ قُلْ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہ ۔ ترجمہ۔ کہدے سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

۵ ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن ۔ ترجمہ۔ سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

۶ ۔ تَبٰرَکَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر ۔ ترجمہ۔ برکت والی ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ملک (بادشاہی) ہے۔ اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔

۷ ۔ قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ

[1] فرمودات احمد علی لاہوری رح

وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط بِيَدِكَ الْخَيْرُ ط اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔ ترجمہ: کہہ اے اللہ مالک سلطنت کے ۔ تو سلطنت دیوے جس کو چاہے ۔ اور سلطنت چھین لیوے جس سے چاہے ۔ اور عزت دیوے جس کو چاہے ۔ تیرے ہاتھ ہے سب خوبی بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے ۔

"اپنی صحبت کو اللہ کے ساتھ وابستہ کر اور اللہ تعالیٰ کے سوا اس شخص کی صحبت بھی اختیار کر جو خدا تعالیٰ کے ساتھ صحبت رکھتا ہے"۔[1]

دھیمی آواز

الحدیث ۔ اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ ۔ اے حضرت عشق! میں اور تو دو ہستی بن گئے ۔ کثرت اور وحدت، خالق اور مخلوق، حادث اور قدیم، شاہد و مشہود، عابد و معبود، عاشق و معشوق، ساجد و مسجود، ذاکر و مذکور غرض یہ سب نام اضداد ہیں اور یہی کوئی فساد ہے ۔ تمام جہان میں اسی دوئی کا جھگڑا فساد ہے ۔ یہی تو شرک ہے اور یہی دوزخ ہے ۔ انسان کو اپنی ہستی کی سزا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا جہان اس لئے بنایا ہے کہ انسان میری صفت ثنا کرے اور میری عبادت کرے اور میری پہچان اس کو ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کس طرح وحدہٗ لاشریک ہے اور اس کام میں یہ راز تھا کہ اگر دو کی ہستی نہ بنتی اور واحد ہی رہتی، تو یہ جہان آباد نہ ہوتا ۔ سوائے دو ہستی کے بننے کے اور کوئی چارہ نہ تھا ۔ ورنہ دو ہستی کا سمجھنا شرک ہے جب تک پہلے اللہ کو واحد نہ سمجھے اس کی نجات ہرگز نہیں ہوتی کیونکہ مشرک کی نیکی سب ضائع ہوتی ہے ۔

انسان پہلے شریعت کا کلمہ پڑھے لَا مَعْبُوْدَ اِلَّا اللّٰہ اس میں خوب مجاہدہ کرے ۔ مگر کسی عارف الٰہی سے نسبت بھی ضروری ہے پھر وہ اس کو طریقت سکھائے گا جس کا مطلب وحدت مقیّد سے وحدت مطلق سمجھا ہوگی یعنی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا معنی لَا معبود اِلَّا اللّٰہ ۔ پھر وہ مرشد کامل اور ولی اللہ اسکو روحانی طاقت سے عرش سے فرش پر لائے گا ۔ پھر وہی بولی بولے گا جو اس کے اپنے ملک میں بولی جاتی ہے ۔ یعنی اگر اس انسان کی بولی عربی ہے تو اسکو اللہ تعالیٰ عربی میں باتیں سمجھائیگا ۔ اگر عجمی ہے تو عجمی بولی بولیگا ۔ غرض خدا ہر بولی کا مالک ہے اسی لئے ہر پیغمبر کو اپنی بولی میں کتاب ملی ۔

غرض دو ہستی ہونے کے سوا کوئی کام نہیں ہو سکتا ۔ دیکھو قرآن شریف اور حدیث سب اسی اصول میں لکھے گئے کیونکہ اور کوئی چارہ نہ تھا ۔ اگر انسان جنگل و بیابان میں اکیلا ہو ۔ اور کوئی اس جگہ یعنی جتنی چیز بھی نہ ہو تو وہ کس سے کلام کرے ۔ اگر کرے تو وہ اپنے آپ سے کرے دوسرا تو اس جگہ ہے نہیں ۔ اللہ تعالیٰ ایک ہے دو نہیں ۔

[1] فتوح الغیب صفحہ ۲۴۴

CS CamScanner

فرمایا کرتے تھے۔ "کہ سترہ سال ہوئے ہیں خود کو خود میں نہیں پارہا اور اکثر وہ رباعی پڑھا کرتے تھے۔
اس کا ترجمہ یہ ہے۔ اے محبوبِ ازل! تجھے میں نے ہر جگہ تلاش کیا اور ایں و آں ہر چیز سے تیری خبریں پوچھیں
جب میں نے تیری تلاش میں خود پر نظر کی تو میں نہ تھا تو ہی تھا۔ اس لیے شرمندہ ہوں کہ میں تیرا نشان
پانے کی تلاش میں سرگردان تھا۔"

۲۔ حضرت شیخ محمد نے فرمایا کہ ایک روز مشاہدات میں حق سبحانہٗ و تعالیٰ ایک دوست کی صورت میں
اس طرح جلوہ گر ہوئے کہ گویا ایک بچے کو انگلی سے پکڑے ہوئے لا رہے ہیں۔ اور فرمایا کہ یہ بچہ تیرے گھر
پیدا کرتا ہوں۔"[۱] (یہ توحید وجودی ہے) ؎

عاشقِ حسنِ خود است آں بے نظیر　　حسنِ خود را خود تماشا می کند

ترجمہ۔ وہ بے مثال اپنے حسن کا خود ہی عاشق ہے۔ اپنے حسن کا خود ہی نظارہ کرتا ہے۔
اصل میں ذات کو "تغیر" نہیں صفات بدلتے رہتے ہیں جیسے پانی ایک ذات ہے کسی وقت ٹھنڈا اور
کسی وقت گرم ہوتا ہے۔

حج کی حقیقت

حضرت سرورِ کائنات ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا۔
"اے عمرؓ! بیقین جانو کہ خانہ کعبہ انسان کا دل ہے۔ چنانچہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے کہ "قَلْبُ الْاِنْسَانِ بَیْتُ
الرَّحْمٰنِ" یعنی انسان کا دل دراصل خانہ کعبہ ہے بلکہ فرمانِ مصطفویؐ ہے کہ "قَلْبُ الْمُؤْمِنِ عَرْشُ اللّٰہِ تَعَالٰی"
پس مومن کا دل عرشِ الٰہی ہے۔ پس کعبۂ دل کا حج کرنا چاہیے ؎

طوافِ کعبۂ دل کن اگر دلے داری　　دلے است کعبۂ اعظم تو گل چہ پنداری
ز عرش و کرسی و لوح و قلم فزوں باشد　　دلے خراب کہ او را بہ ہیچ نہ شماری

ترجمہ۔ کعبۂ دل کا طواف کر اگر تو دل رکھتا ہے تو　　دل کعبۂ اعظم ہے تو مٹی کیا گمان کرتا ہے۔
یہ عرش و کرسی و لوح و قلم سے اعلیٰ ہے　　وہ دل جسے تو معمولی اور حقیر خیال کرتا ہے

---

[۱] انفاس العارفین، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ صفحہ ۴۲۶

قلب از نورِ وحدت گشت پیدا — نہ از مادر پدر باشد ہویدا
نہ از باد و نہ آتش آب و خاکی — قلب نورِ بیت قدرت شد ز پاکی

ترجمہ:۔ دل وحدت کے نور سے پیدا ہوتا ہے — ماں باپ سے ظاہر نہیں ہوتا۔
اور نہ ہوا، آگ، پانی اور خاک سے — بلکہ دل ایک نور ہے جسے پاکیزگی سے قدرت حاصل ہوئی۔

لہٰذا دل کعبہ سے افضل ہے ؎

دل بدست آور کہ حج اکبر است — از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

ترجمہ:۔ دل کو ہاتھ میں لا کہ یہ حج اکبر ہے — ہزاروں کعبہ سے ایک دل بہتر ہے۔

حضرت عمر رضؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ! کعبۂ دل کا حج کس طرح کرنا چاہیئے؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ انسان کا وجود بمنزلہ ایک چار دیواری کے ہے۔ اگر اس چار دیواری میں سے غیر اللہ کے شک و وہم کا پردہ دور کر دیا جائے تو دل کے صحن میں خدا کی ذات کا جلوہ نظر آئے گا۔ حج کعبہ کا یہی مقصد ہے ؎

دل کعبۂ اعظم است بکن خالی از بتاں — بیت المقدس است مکن جائے دیگراں

ترجمہ:۔ دل کعبۂ اعظم ہے اسے بتوں سے خالی کر، یہ (اللہ) کا پاک گھر ہے دوسروں کی جگہ نہ بنا۔

نیز ایسا حقیقی حج کرنے سے یہ بھی مقصود ہے کہ انسان اپنی خودی و ہستی کو اس طرح مٹا دے کہ ہستی کا ذرہ بھر بھی باقی نہ رہے۔ حتیٰ کہ ظاہر و باطن یکساں پاکیزہ ہو جائے۔ اور دل صفات الٰہی سے متصف ہو جائے۔

حضرت عمر رضؓ نے عرض کیا کہ حضورؐ! اپنی ہستی کو فنا کیونکر حاصل ہو سکتی ہے۔ حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ محبوب حقیقی یعنی خدا تعالیٰ پر عاشق ہونے سے۔ جو شخص عاشق الٰہی ہو گیا، وہ فنا فی اللہ ہو گیا۔ اور جو فنا فی اللہ ہو گیا وہ ذات حق کا مظہر ہو گیا۔

پھر حضرت عمر رضؓ نے سوال کیا کہ حضرت! دل کو خانۂ خدا اور عرش الٰہی کیوں قرار دیا۔ سرکار دو عالمؐ نے جواب دیا کہ ارشاد باری ہے "وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ" یعنی خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ لوگو! میں تمہارے اندر ہی ہوں پھر تم مجھے کیوں نہیں دیکھتے اے عمرؓ! رہنے کی جگہ کو گھر کہتے ہیں۔ چونکہ خدا تعالیٰ دل میں رہتا ہے لہٰذا دل خانۂ خدا اور عرش الٰہی قرار دیا۔

پھر حضرت عمر رضؓ نے سوال کیا کہ یا رسول اللہؐ اس خاک کے پتلے میں بولنے والا، سننے والا، جاننے والا، اور دیکھنے والا کون ہے؟ اور کیسا ہے؟